مبلغِ اسلام

علامہ شاہ

محمد عبدالعلیم صدیقی قادری

رحمتہ اللہ علیہ

خلیل احمد رانا

مبلّغِ اسلام

علامہ شاہ محمد عبد العلیم صدیقی قادری رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب

خلیل احمد رانا

حواشی

محمد صدیق فانی

نام کتاب ـــــ مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی قادری ؒ

ترتیب ـــــ خلیل احمد رانا

حواشی ـــــ محمد صدیق فانی

کتابت ـــــ ابو نعیم

صفحات ـــــ ایک سو پندرہ

سن اشاعت ـــــ ١٤١٤ھ / ١٩٩٤ء

تعداد ـــــ ٢ ہزار

ناشر ـــــ محمد عثمان خان نوری

باہتمام : جناب محمد رفیق نورانی ، جناب حاجی عبدالعزیز، قاری غلام رسول صاحب
جناب یعقوب کھنانی ۔

پتہ

ورلڈ اسلامک مشن

یونی شاپنگ سینٹر شاہراہ عراق ۔ کراچی

فون نمبر ۵۲۶۴۰۰

تقریظ

علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی امروہوی ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا الشاہ عبدالعلیم صاحب قادری میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد حضرت علامہ الشاہ احمد نورانی مدظلہ العالی) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، موصوف برصغیر کے عظیم علمی روحانی پیشوا تھے۔

ایسی مقدس ہستیوں کے مقدس حالات اور سوانح حیات سے قوم کو متعارف کرانا ہر حیثیت سے نہایت ضروری ہے مگر اہل سنت اس میدان میں بہت پیچھے ہیں۔

محترم جناب خلیل احمد رانا صاحب نے حضرت ممدوح علیہ الرحمۃ کی سوانح حیات تالیف فرماکر قوم پر احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف کو جزاء خیر عطا فرمائے اور آپ کی تالیف کو شرفِ قبولیت عطا فرماکر مسلمانوں کو اس سے مستفید ہونیکی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

سید احمد سعید کاظمی غفرلہ

یکم ربیع الاول شریف ١٣٩٨ھ

تقدیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب

(۱)

مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ (م ۱۹۵۴ء) کی باکمال شخصیت چودھویں صدی ہجری کے علماء اور مبلغین اسلام میں سر فہرست نظر آتی ہے، انہوں نے تنہا ایک انجمن کا کام کیا، اُن کے عزم و حوصلہ کو دیکھکر صدر اوّل کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، اُن کی ذات گرامی میرے لئے اجنبی نہیں، والد ماجد حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۶۶ء) سے اُن کے خصوصی مراسم تھے، مفتی اعظم کی خدمت میں اُن کو آتے جاتے دیکھا ہے اور تقریریں بھی سُنی ہیں۔

حضرت مولانا میرٹھی عظیم المرتبت عالم و عارف تھے اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ (م ۱۹۲۱ء) کے جلیل القدر خلیفہ ——— امام احمد رضا نے "الاستمداد" میں آپ کا ذکر کیا ہے[۱]۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی علیہ الرحمہ (م ۱۹۳۸ء) بھی امام احمد رضا کے خلیفہ تھے، انہوں نے ملک و بیرونِ ملک مذہبی اور سیاسی سطح پر کارہائے نمایاں انجام دیئے، "الاستمداد" میں ان کا ذکر بھی موجود ہے[۲]۔

(۲)

امام احمد رضا صفات جلالیہ اور جمالیہ کے جامع تھے، آپ کے خلفاء میں بعض جلالی تھے

[۱] احمد رضا خاں، الاستمداد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۹۵ [۲] ایضاً ص ۹۴

نوٹ: تفصیل حالات کیلئے مطالعہ فرمائیں تذکرہ علمائے اہلسنّت از مولانا محمود احمد قادری مطبوعہ کانپور ۱۹۷۱ء

اور بعض جمالی ——— حضرت مولانا میرٹھی علیہ الرحمہ جمال رضوی کا آئینہ تھے، چلتا پھرتا امن کا ایک سفیر تھے، ان کی زندگی عالم گیر محبت سے عبارت تھی، انہوں نے حیرت انگیز ایثار و قربانی سے کام لیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ایک زمانہ تھا جب کہ عدم معرفت کی وجہ سے بعض لوگ امام احمد رضا کے ذکر و فکر سے انقباض محسوس کرتے تھے، غالباً لوگوں کی اسی تنگ دلی کی وجہ سے حضرت مولانا میرٹھی اور ان کے اخلاف امجاد نے ابتداء میں امام احمد رضا کا زیادہ چرچا نہیں کیا ——— امام احمد رضا کے مخالفین نے ایک عظیم مہم چلاکر اہل علم کو اُن سے بدظن کیا، اور اُن کی عزّت و ناموس کے درپے ہوئے، شاید ہی کوئی اسلام کا شیدائی ہو جس نے تہمت خلق کے تیر نہ کھائے ہوں۔

ع من ذا الذی ینجو من الناس سالماً؟

لیکن جو محبوبان خدا، خدا کے لئے اپنی عزّت اور اپنی زندگی لٹاتے ہیں وہ مرتے نہیں، جیتے ہیں۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ط بل احیاء ولاکن لا تشعرون ط توجب اپنے خیال میں سب مار چکے اور سمجھے کہ وہ مر چکا تو ہاتف غیبی نے اُس کی زندگی کا اعلان کیا اور مخالفین و بدخواہوں کو متنبہ کیا ؎

یا ناطح الجبل العالی لتکلمہ
اشفق علی الرأس لا تشفق علی الجبل

امام احمد رضا پر بدنامی اور گمنامی کا ایک زمانہ گذرا ——— ایسا کٹھن وقت کہ اہل علم نام لیتے سہمتے تھے ——— یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت مولانا میرٹھی اور ان کے اخلاف نے اپنا مشن جاری کیا، انہوں نے اشاعت اسلام کی خاطر اپنے شیخ امام احمد رضا کا چرچا نہ کیا، لیکن امام احمد رضا تو پہلے ہی اسلام اور شارع اسلام علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر سب کچھ نثار کر چکے تھے ؎

فاذا ابی و والدتی و عرضی
لعرض محمد منکو وقاء[۱]

[۱] امام احمد رضا خان: حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور (۱۹۰۶ء)، ص ۵۲

ایک طرف ایثار و قربانی کا یہ عالم تھا اور دوسری طرف یہ دیکھا گیا کہ اپنے شیوخ والاساتذہ کی مدافعت کی خاطر اسلام اور شارعِ اسلام علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی بھی پرواہ نہ کی گئی —— حضرت مولانا میرٹھی کے وصال کے بعد ان کے خلیفہ اور داماد مولانا فضل الرحمٰن انصاری علیہ الرحمہ (دم ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) نے "المرکز الاسلامی" کے نام سے کراچی میں ایک اسلامی ادارہ قائم کیا اس میں بھی امام احمد رضا کا کوئی ذکر وفکر نہ تھا بلکہ عرصہ دراز کے بعد جب امام احمد رضا کی شخصیت سے غبارِ تہمت و بدنامی ہٹا تو شاید پہلی مرتبہ اس ادارے کے انگریزی ماہنامہ[1] میں امام احمد رضا پر مختصر مضمون شائع ہوا۔ اسی طرح جب جارج برناڈ شا اور مولانا میرٹھی کے درمیان مکالمے کی روئداد انگریزی میں شائع کی گئی[2] تو اس کے سوانحی حصے میں امام احمد رضا کا نام تک نہیں۔ مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا یہ ایثار و قربانی اشاعت اسلام کی خاطر کی گئی۔

لیکن اب جب کہ پاک و ہند اور بیرونی ممالک میں امام احمد رضا کا تعارف ہو چکا ہے، اور اہل علم و دانش ور آپ کی عبقریت اور فضیلت علمی کے معترف نظر آ رہے ہیں، یہ راز، راز نہیں رہا اور نہ رہنا چاہیئے ؎

اَب راز، راز رہ نہ سکے گا کہ اُن کی یاد
پلکوں تک آ گئی ہے چراغاں کئے ہوئے

(۳)

علمائے اہل سنّت کا یہ خاص امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے عقائد کی درستی اور اسلام کی اشاعت کے لئے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں جب کہ بعض دوسرے علماء ہنود سے سیاسی اتحاد کی وجہ سے شاید ہنود میں اشاعت اسلام کی خدمت انجام نہ دے سکے، بلکہ کفّار و مشرکین اُن کی سیاسی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہ گئے، یہ ایک تاریخی المیہ ہے —— صرف علمائے حق کی ایسی صاف ستھری تاریخ ہے جو کفار و مشرکین کے ذکر سے

۱ ماہنامہ منارٹ (انگریزی)، کراچی، شمارہ اگست ۱۹۷۴ء ص ۱۷ تا ۲۳

۲ K.S.ANWARI; ASHAVIAN AND A PHILOSPHER, KARACHI 1970, AE. 10Th Edition

پاک ہے اگر ذکر ہے بھی تو بانداز مومنانہ اور بہ اسلوبِ قاہرانہ۔

مبلغین میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جنھوں نے صرف مسلمانوں کی اصلاح کے لئے کوشش کی اور کفار و مشرکین سے تعرض نہ کیا، اصلاح کا یہ انداز عافیت کوشانہ ہے۔ بلاشبہ غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام دینا ہمت کی بات ہے، اس کے لئے علم و فضل، عزم و حوصلہ اور ایمانِ کامل کی ضرورت ہے، یہ جواہر علمائے حق ہی میں نظر آئیں گے ع

ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہین کردہ اند

ان علمائے حق کی پاک سیرتیں اسلام اور ملت اسلامیہ کے لئے باعث افتخار ہیں —— حضرت مولانا میرٹھی انہی جلیل القدر مبلغین میں نہایت ممتاز نظر آتے ہیں، انہوں نے اسلام کی اس طرح تبلیغ فرمائی کہ تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

حضرت مولانا میرٹھی کے شیخ مجاز امام احمد رضا نے مندرجہ ذیل چار چیزوں کی طرف خاص طور پر اپنی توجہ مرکوز کی:۔

۱۔ فقہ حنفی کے مطابق فتوے نویسی
۲۔ تدریس علوم دینیہ
۳۔ گستاخان رسول علیہ التحیۃ والتسلیم کی سرکوبی
۴۔ تبلیغ دین اسلام

امام احمد رضا کے خلفاء و تلامذہ میں بعض حضرات وہ ہیں جو بحیثیت فقیہہ، مفتی مشہور ہوئے بعض وہ ہیں جو بحیثیت معلّم و مدرس مشہور ہوئے، بعض وہ ہیں جو بحیثیت مناظر اسلام مشہور ہوئے اور بعض وہ ہیں جو بحیثیت مبلغ اسلام مشہور ہوئے گویا امام احمد رضا کی جامعیت کے مختلف پہلو فرداً فرداً خلفاء و تلامذہ میں نظر آتے ہیں۔ ——

حضرت مولانا میرٹھی اس صدی کے مبلغین اسلام کے قافلہ سالار ہیں، اُنہوں نے دنیا کے بیسیوں ملکوں کا دورہ کیا اور ہزاروں غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا —— جن میں پروفیسر بھی ہیں، دانشور بھی ہیں، عمائدین اور اعیان مملکت بھی ہیں، پھر ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کو مرید کر کے ان کی روحانی اصلاح بھی فرمائی —— جشن نزول قرآن

(۱۹۶۹ء) میں فلپائنی مندوب ڈاکٹر احمد نے اپنے تأثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا میرٹھی نے ہزاروں غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا اور وہ خود بھی اُنہیں کے دست حق پرست پر مسلمان ہوئے۔

حضرت مولانا میرٹھی دوسری زبانوں کے علاوہ انگریزی زبان پر حیرت انگیز عبور رکھتے تھے۔ مولانا محمد علی جوہر بھی انگریزی کے ماہر تھے مگر اُنہوں نے اس سے وہ کام نہ لیا جو مولانا میرٹھی علیہ الرحمہ نے لیا۔ جاپان کی ایک مجلس میں جہاں آپ نے تقریر فرمائی، ٹوکیو کے پروفیسر این۔ ایچ۔ برلاس نے انگریزی زبان میں آپ کی مہارت کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی آواز کو ترنم ریز و دل آویز قرار دیا ——— راقم کو بھی حضرت مولانا کی تقریر سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی آواز میں بلا کی کشش اور کھنک تھی۔ اُردو، عربی انگریزی اور بعض دوسری زبانوں میں بے تکان تقریر کرتے تھے۔

تبلیغِ اسلام کے سلسلے میں حضرت مولانا میرٹھی نے تقریباً ۳۵ ملکوں کا دورہ کیا —— عوام سے لے کر خواص تک اور خواص سے لیکر اعیان مملکت تک رابطے قائم کئے اور اسلام کا پیغام پہنچایا ——— مختلف ملکوں میں سینکڑوں تعلیمی، علمی، دینی اور رفاہی ادارے قائم کئے، مدرسے اور مسجدیں بنوائیں، کتب خانے قائم کئے اور اخبارات و رسائل جاری کرائے۔

(۴)

خدمت اسلام کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا میرٹھی علیہ الرحمۃ نے سیاسیات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ——— تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات میں شریک رہے اور اس سلسلے میں ۱۹۲۲ء میں ۶ ماہ قید و بند کی مشقتیں بھی اٹھائیں ——— ۱۹۴۰ء میں قرار دادِ پاکستان پاس ہونے کے بعد پاکستان کے لئے جدوجہد کی ——— ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے پھر بیرون ہند پاکستان کے لئے انتھک کوشش کی ——— ۱۹۴۸ء میں اسلامی مسودہ آئین کی تیاری کے سلسلے میں سعی فرمائی ——— وہ قائد اعظم کے قریب تھے اور قائد اعظم ان پر اعتماد فرماتے تھے۔

حضرت مولانا میرٹھی کی ہمہ گیر اسلامی مساعی جمیلہ کو اللہ تعالیٰ نے وہ صلہ عطا فرمایا جو ہر دل کی آواز ہے، سرزمین قدس میں وصال فرمایا اور جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدوم مبارک میں دفن ہوئے۔

(۵)

حضرت مولانا میرٹھی کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی اور داماد و خلیفہ مولانا فضل الرحمٰن انصاری علیہ الرحمہ (م۔ ۱۹۷۴ء) نے آپ کے کام کو سنبھالا اور آپ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ خدمتِ اسلام کے سلسلے میں دونوں حضرات کی مساعی ناقابل فراموش ہیں۔

(۱) مولانا فضل الرحمٰن انصاری نے یوں تو بہت سے کام کئے مگر عمر کے آخری حصے میں جو کام کر گئے اور کتاب لکھ گئے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ کتاب انگریزی میں ہے اور دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، عنوان ہے:۔

THE QUR'ANIC FOUNDATION
AND STRUCTURE OF MUSLIM
SOCIETY. (KARACHI, 1973)

۱۹۷۳ء میں ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل (کراچی) میں اس کتاب کی تقریب رونمائی ہوئی تھی جس میں علماء و دانشور شریک ہوئے اور اپنے تاثرات کا اظہار کیا، اس موقع پر مسٹر اے۔ کے بروہی نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اقبال کے انگریزی خطبات تشکیل جدید الٰہیات کے بعد اگر کوئی دوسری کتاب میری نظر میں آتی ہے تو وہ یہ کتاب ہے۔ (ترجمہ انگریزی ملخصاً)

اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے فرمایا:

"مذہب اسلام کو سمجھنے کے لئے اب تک جو بہترین کوشش کی گئی ہیں ان میں سے یہ ایک ہے۔ (ترجمہ انگریزی) [1]

[1] ماہنامہ، منارٹ (انگریزی) کراچی، شمارہ جولائی ۱۹۷۴ء ص ۴۹

ب : حضرت مولانا میرٹھی کے صاحبزادے حضرت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی، راقم کے والد ماجد مفتی اعظم شاہ مظہر اللہ قدس سرہٗ العزیز (م ۱۹۶۶ء) اور برادر بزرگ حضرت مولانا مفتی مظفر احمد علیہ الرحمہ (م ۱۹۷۱ء) سے خاص تعلق و محبت رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا شاہ احمد نورانی نے حضرت مولانا میرٹھی علیہ الرحمہ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ انہوں نے عوامی سطح پر مسلمانوں میں بیداری پیدا کی اور اسلام کا شعور بخشا، اُنہوں نے دُنیا کے بیشتر ممالک کا دورہ کیا اور ہزاروں غیر مسلموں کو مشرف باسلام کیا اور اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کیا، تحریک ختم نبوت (۱۹۷۳ء) اور تحریک نظام مصطفیٰ (۱۹۷۷ء) میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

"نظامِ مصطفیٰ" کا نعرہ اُنہوں نے دیا۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے ہر دل کی آواز بن گیا، تاریخ پاکستان میں اس کی نظیر نہیں ملتی ——— وہ ایک باوقار لیکن بیباک سیاست دان ہیں، ان کی جرأت و بیباکی کے واقعات ان کے سیاسی مخالفین نے بیان کئے ہیں ——— ۱۹۵۸ء میں جب وہ روس کے دورے پر تشریف لے گئے تو لینن کی قبر پر پھول چڑھانے سے انکار کر دیا، اسی طرح ۱۹۷۱ء میں جب ڈھاکہ میں یحییٰ خاں سے ملاقات ہوئی تو وہ شراب پی رہا تھا، بقول شورش کاشمیری مرحوم یہ منظر دیکھ مولانا نورانی نے فرمایا:۔

"یحییٰ! شراب بند کرو، ورنہ ہم جا رہے ہیں۔ آخر کار اُس کو شراب اُٹھانا پڑی"

سچ ہے: ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

مولانا شاہ احمد نورانی نے ۱۹۷۷ء میں قید و بند کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں، جس طرح ۱۹۲۲ء میں ان کے والد ماجد حضرت مولانا میرٹھی علیہ الرحمہ نے برداشت کی تھیں۔

ج : نورانی میاں کی والدہ ماجدہ بھی صاحبِ عزیمت خاتون ہیں ———

نورانی میاں کے ایّام اسیری میں جب ان کے عقیدتمندوں نے ہمدردی کے تار بھیجے تو اس خاتون نے جو بیان جاری کیا تاریخ عزیمت میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور قرونِ اولیٰ کی اولوالعزم مسلمان عورتوں کی یاد دلاتا ہے، انہوں نے فرمایا:۔

"میں ان تمام لوگوں کو جو نورانی میاں کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی پر آزردہ ہیں یہ ہدایت کرنا چاہتی ہوں کہ وہ اظہار افسوس کے بجائے خُدا کا شکر ادا کریں کہ اس نے اُن کے راہنما کو حق بات کہنے اور پھر حق بات کے لئے سختیاں جھیلنے کی سعادت عطا کی ——— مجھے اپنے بیٹے پر فخر ہے کہ اس نے عظیم باپ مولانا عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی لاج رکھ لی"۔ [۱]

د : اسی صاحب عزیمت ماں کی صاحبزادی ڈاکٹر فریدہ ہیں جو سالہا سال سے تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں، اُنہوں نے پردہ میں رہ کر دین و ملت کی وہ خدمت کی جو دوسری عورتیں پردے سے باہر رہ کر نہ کر سکیں ——— کہا جاتا ہے پردہ کی پابندی سے عورت خود اپنی زندگی نہیں بنا سکتی، لیکن ڈاکٹر فریدہ نے عملی مثال پیش کر کے بتایا کہ پردے میں رہ کر نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی زندگیاں بھی بنائی جا سکتی ہیں۔

الغرض حضرت مولانا میرٹھی علیہ الرحمہ کے حالات و واقعات ملّت مسلمہ کے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں ——— وہ خُود ہی نمونہ نہ تھے، اُن کا سارا گھرانہ نمونہ ہے ——— اُن کے فرزند ارجمند، ان کے داماد، ان کی اہلیہ، ان کی صاحبزادی سب کے سب دین اسلام کی خدمت کا وہ جذبہ رکھتے ہیں اور وہ کام کر گذرے ہیں جو دوسرے نہ کر سکے۔

(۶)

متعدّد کتب و رسائل حضرت مولانا میرٹھی علیہ الرحمہ کی علمی یادگاریں ہیں، مگر ان میں سر فہرست وہ تقاریر اور مقالات ہیں جو تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی ہیں، اگر یہ جمع کر لی جاتیں تو کئی ضخیم مجلدات تیار ہو سکتی تھیں مگر افسوس ایسا نہیں کیا گیا۔ بہر حال اَب کوشش کی جا رہی ہے۔

[۱] ۲۳ مئی ۱۹۷۷ء کراچی

جامع ومرتب مکرمی جناب خلیل احمد رانا نے حضرت مولانا میرٹھی علیہ الرحمہ کی ایک جامع ومختصر سیرت لکھ کر عظیم دینی اور ملّی فریضہ ادا کیا ہے۔ انہوں نے بڑی حد تک تحقیقی، معیار کو قائم رکھا ہے اور حواشی کا خاص طور پر اہتمام کیا ہے، جس سے اس کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور جن حضرات نے اس کتاب کی طباعت وکتابت اور مواد کی فراہمی میں تعاون کیا ہے ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
سکرنڈ۔ ضلع نواب شاہ۔ سندھ
۴؍جون ۱۹۷۸ء

ولادت

مولانا عبدالعلیم صدیقی ۳؍اپریل ۱۸۹۲ء بمطابق ۱۵؍رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ میرٹھ شہر صوبہ یوپی انڈیا میں نامور صوفی عالم دین اور نعت گو شاعر مولانا شاہ محمد عبدالحکیم صدیقی جوشؔ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفہ اوّل امیر المومنین حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔

تعلیم و تربیّت

مولانا عبدالعلیم صدیقی بچپن ہی سے نہایت ذہین اور محنتی تھے۔ آپ نے صرف ۴ سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ ختم کر لیا۔ والد ماجد سے عربی اُردو اور فارسی کی ابتدائی کُتب پڑھنے کے بعد میرٹھ کی مشہور دینی درسگاہ "مدرسہ عربیہ قومیہ" میں داخل ہوگئے۔ سولہ برس کی عمر میں وہاں سے آپ نے امتیازی حیثیت سے درس نظامی کی سند حاصل کی۔ آپ کے دل میں چونکہ بچپن ہی سے تبلیغ واشاعتِ اسلام کی تڑپ موجود تھی، اسلام کا پیغام غیر مسلموں تک مؤثر طریق پر پہنچانے کے لئے آپ نے علوم جدیدہ کی تحصیل کی ضرورت کو محسوس کیا۔ درس نظامی کی تکمیل کے بعد آپ پرائیویٹ مطالعہ کرتے رہے، پھر اٹاوہ ہائی سکول سے میٹرک کا امتحان ۱۹۱۳ء میں پاس کر کے ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخلہ لے لیا، ۱۹۱۷ء میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے قانون کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا۔ میرٹھ کے مشہور حکیم احتشام الدین صاحب سے فنِ حکمت سیکھا۔

اکتسابِ فیض اور بیعت

آپ کی روحانی تربیت والد ماجد حضرت مولانا عبدالحکیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ،

ؔ۱ محمود احمد قادری تذکرہ علمائے اہلسنّت مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ بار اول ص ۱۶۶

برادرِ محترم حضرت مولانا احمد مختار صدیقی علیہ الرحمہ[1]، حضرت پیر سید علی حسین[2] شاہ محدّث

[1] مولانا شاہ احمد مختار صدیقی علیہ الرحمہ محلہ مشائخان میرٹھ میں، ۷ محرم الحرام ۱۲۹۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں۔ ۱۳۱۰ھ میں ۱۶ برس کی عمر میں مدرسہ اسلامی اندرکوٹ میرٹھ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۳۲۱ھ میں مکہ معظمہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالحق شیخ الدلائل الٰہ آبادی سے حدیث کی کتابوں کا درس لیا۔ ۱۳۲۲ھ میں ایک سال مدینہ منورہ میں حاضر رہ کر حضرت شیخ رضوان وغیرہ سے تحصیل علم کر کے سندیں حاصل کی۔ محسن ملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے۔ برما کے شہر مانڈلے میں اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی۔ ڈربن افریقہ میں عورتوں کو تعلیم کے لئے متوجہ کیا۔ ۱۹۰۸ء میں افریقہ سے "الاسلام" نامی گجراتی زبان میں اخبار جاری کیا۔ ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت میں حصہ لیا۔ نجدیوں نے حجاز مقدس میں برسرِ اقتدار آنے کے بعد مقابر متبرکہ کے توڑ پھوڑ کا سلسلہ شروع کیا نجدیوں کے اس اقدام کے خلاف عالم اسلامی میں ہل چل مچ گئی۔ ۱۹۲۴ء میں مسلمانان بمبئی نے سلطان سعود کو اس حرکت سے باز رکھنے کے لئے آپ کی قیادت میں ایک وفد بھیجا جناب سید حبیب صاحب ایڈیٹر سیاست لاہور اور مولانا فضل اللہ خاں مالک علمیہ بک ڈپو بمبئی آپ کے رفقاء وفد تھے۔ ۱۹۱۸ء میں میرٹھ میں اور ۱۹۳۵ء ڈربن ساؤتھ افریقہ میں یتیم خانے قائم کئے آپ نے کافی تعداد میں ہندوؤں اور عیسائیوں کو مسلمان کیا۔ ۶۳ برس کی عمر میں پیر کی رات بعد مغرب ۱۰ر جولائی ۱۹۳۸ء کو دمن (پرتگیز) میں انتقال ہوا۔

(محمود احمد قادری: تذکرہ علمائے اہلسنّت مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ ص ۳۲)

[2] اسم گرامی سید علی حسین کنیت ابواحمد خطاب سجادہ نشین حضرت کلاں اور تخلص اشرفی تھا سلسلہ نسب کئی واسطوں سے سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رح سے جا ملتا ہے۔ آپ ۲۲ر ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ بمطابق ۱۸۴۵ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم مولانا گل محمد خلیل آبادی سے حاصل کی پھر مولوی امانت علی کچھوچھوی۔ مولوی سلامت علی گورکھپوری اور مولوی قلندر بخش کچھوچھوی سے تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۶۵ء میں اپنے برادر بزرگ شاہ ابو محمد سے بیعت کی۔ چار بار حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آپ متقدمین صوفیہ کی روش پر فکر سخن بھی فرماتے تھے۔ آپ کے مرید مبلغ اسلام میر غلام بھیک نیرنگ وکیل انبالہ نے آپ کا دیوان "تحائف اشرفی" کے نام سے مرتب کر کے ۱۳۳۳ھ میں شائع کیا۔ ۱۱ر رجب ۱۳۵۵ھ کو وصال ہوا۔ (محمود احمد: تذکرہ علمائے اہلسنّت ص ۱۸۹)

محدّثِ کچھوچھوی اور امام اہلِ سُنّت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ[1] جیسے عظیم المرتبت بزرگوں سے کی علاوہ ازیں آپ نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی[2] رحمۃ اللہ علیہ

[1] مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء میں بریلی شہر میں پیدا ہوئے۔ ۴ سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا۔ ۱۸۶۹ء میں تمام درسی علوم سے فارغ ہو گئے اور اس وقت آپ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں نے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔ ۱۸۷۷ء میں حضرت شاہ آلِ رسول قادری مارہروی سے بیعت ہوئے اور تمام سلسلوں کی اجازت وخلافت حاصل کی، ۱۸۷۸ء میں اپنے والد ماجد کے ساتھ زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے۔ وہاں کے اکابر علماء فضلاء سید احمد دحلان مفتی شافعیہ اور عبدالرحمٰن سراج فقیہہ سے فقہ، اصول، تفسیر، حدیث اور دوسرے تمام علوم کی تکمیل کی اور سند حاصل کی۔ متداول علوم عربیہ ادبیہ میں ماہرِ کامل فنون عقلیہ نقلیہ وایجاد واجتہاد پر فائز تھے۔ آپ نے ساری عمر تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ کنزالایمان کے نام سے آپ نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ لکھا جو موجودہ دور کے تمام تراجم سے ممتاز اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ قدیمہ کے مطابق ہے زبان کی روانی میں بے مثل ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت وحرمت کا نگہبان ہے آپ کے خاص فقہی مسائل میں فتاوٰی رضویہ ۱۲ جلدوں میں کئی ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ کم وبیش ایک ہزار تصانیف آپکی یادگار ہیں جو پچاس مختلف علوم وفنون پر لکھی گئی ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں وصال ہوا۔

[2] مولانا عبدالباری علیہ الرحمہ ۱۲۹۵ھ میں فرنگی محل لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالباقی فرنگی محلی مدنی علیہ الرحمہ سے اکثر علوم کا درس لیا۔ چند کتابیں حضرت مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی سے پڑھیں۔ ۱۳۲۳ھ میں حرمین طیبین کا سفر کیا اور حج کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت علامہ سید علی بن ظاہر الوتری المدنی، شیخ الدلائل علامہ سید امین بن رضوان، علامہ شیخ سید احمد برزنجی اور سید عبدالرحمٰن بغدادی نقیب الاشراف سے سند واجازت حدیث وسلاسل طریقت حاصل کی۔ آپ کو تمام علوم میں تبحّر تام حاصل تھا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی آپ کو فاضل اکمل کہتے تھے۔ سیاست سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ۱۳۴۴ھ میں انتقال ہوا۔

(تذکرہ علمائے اہلسنّت از علامہ محمود احمد قادری

مطبوعہ کانپور ۱۳۹۱ھ ص ۱۷۳)

شیخ احمد الشمس مراکشی مدنی علیہ الرحمہ[1] اور لیبیا کے صوفی بزرگ حضرت شیخ السنوسی[2] علیہ الرحمہ سے

لہ حضرت سیدی احمد الشمس رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ اور حافظ الحدیث تھے۔ کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ اگر کسی کا جواب دیتے تو وہ بھی حدیث میں دیتے۔ حضرت علامہ مفتی ضیاء الدین مدنی مدظلہ، خلیفہ مجاز مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی حال مقیم مدینہ منورہ نے حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے بیضاوی شریف (تبرکاً) پڑھی۔

(ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی جولائی ۱۹۷۵ء انٹرویو علامہ ضیاء الدین مدنی)

۲ہ حضرت شیخ سنوسی علیہ الرحمہ کے متعلق مولانا عبد الماجد دریا آبادی نے اپنی ایک یادگار ملاقات کا ذکر کتاب "سفر حجاز" میں اس طرح کیا ہے۔

"یہ تو معلوم تھا کہ شیخ سنوسی اعظم عرصہ سے مکہ معظمہ ہی میں مقیم ہیں۔ مگر نہ یہ معلوم تھا کہ کہاں مقیم ہیں اور نہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا کوئی خیال تھا۔ آج صبح ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر عبد الرحمٰن بہاری) نے فرمایا شیخ موصوف کی طبیعت کچھ عرصہ سے ناساز ہے اور ڈاکٹر صاحب ہی کا علاج ہو رہا ہے یہ سُن کر طبیعت میں قدرۃً اشتیاق پیدا ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد ڈاکٹر صاحب جب وہاں چلنے لگے تو ہم لوگوں کو بھی ہمراہ لے لیا۔ حرم سے کچھ دور ایک بہت بلند ٹیلہ جبل ہندی کے نام سے ہے شیخ وہیں مقیم ہیں۔ صبح آٹھ بجے کا وقت ہوگا ہم لوگ روانہ ہوئے اور جس طرح پہاڑوں پر چڑھتے ہیں بلندیاں اور بلندیوں کے بعد پھر بلندیاں طے کرتے ہوئے شیخ کی منزل گاہ تک پہنچے، یہ تو ایک اچھا خاصہ قلعہ ہے۔ بڑی وسیع لق و دق عمارت بلکہ ایک مجموعہ عمارات۔ اخبارات میں شیخ کا نام آج سے نہیں کم از کم پندرہ بیس سال سے سنتے چلے آ رہے ہیں طرابلس میں اطالیوں خلاف جہاد اور اس کے بعد خدا معلوم کتنی بار جہاد و غزاہی کے سلسلے میں شیخ کا نام سننے میں آچکا تھا۔ دل خوش ہو رہا تھا کہ آج اپنے زمانہ کے مجاہد اعظم کا دیدار نصیب ہوگا۔ شیخ کوئی تارک الدنیا زاہد گوشہ نشین نہیں ماشاء اللہ پورے خدم وحشم کے ساتھ یہاں مقیم ہیں۔ رئیسانہ بلکہ شاہانہ ساز و سامان اپنی ضرورت کی ہر شے موجود یہاں تک کہ مسجد بھی موجود۔ مختلف درجوں اور منزلوں میں متعدد خدام اور دربان ملتے رہے سب سے سلام علیک ہوتی رہی اور کسی میں نجدی سپاہیوں کی سی درشتی اور خشونت نہ ملی، یہاں تک کہ اوپر کی منزل میں پہنچے اور ایک کمرہ میں تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد شیخ کے سامنے طلبی ہوئی۔ کمرہ سامان آرائش و نمائش سے خالی سادگی کی ایک تصویر بنا ہوا وسط میں تکیہ لگائے ایک نہایت ہی حسین سفید ریش بزرگ سفید براق کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے چہرہ سفید بال سفید کپڑے سفید اور ان سفیدیوں سے کہیں بڑھ کر شیخ کی نورانیت۔ باطن کے نور اور قلب کی نورانیت کی خبر تو خدا کو لیکن چہرہ کی نورانیت کا یہ عالم کہ نظر سے نظر

بھی روحانی فیوضات کا اکتساب کیا۔ سلسلہ قادریہ میں امام احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے۔ آپ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحؒ کے خاص خلفاء میں سے تھے اور انہی کے ایماء و ارشاد پر اپنی زندگی تبلیغ دین اور خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر دی اور اپنے نجی خرچ پر پیغام اسلام دُنیا کے کونے کونے میں پہنچایا[1]۔

محسنِ ملت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ آپ کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اپنے تلامذہ اور خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

عبد علیم کے علم کو سُن کر جہل کی بہل[2] بھگاتے یہ ہیں[3]

حضرت علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ کو اپنے شیخ طریقت سے کمال عقیدت تھی۔ حرمین

لہ تاریخ تمدن انڈونیشیا جلد اوّل شائع کردہ شعبہ اطلاعات سفارت خانہ انڈونیشیا کراچی ص۱۴۱

۲ہ (بہل) یعنی بیل گاڑی جو کہ سفر کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

۳ہ امام احمد رضا، الاستمداد ص ۷۹

بقیہ ص ملائی شکل۔ طریق ولایت پر راہ سلوک طے کرنے والے اچھے اچھے بزرگ نظر سے گزر چکے تھے اس وقت شیر مرد کا سامنا تھا جو راہ سلوک طریق نبوت پر طے کر رہا تھا۔ تسبیح و سجادہ حلقہ و خرقہ والے بہت سے بزرگوں کی زیارت نصیب میں آچکی تھی آج اس بزرگ کی حاضری ہو رہی تھی جو صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے نمونہ پر صاحب دل بھی ہے اور صاحبِ سیف بھی۔ خانقاہ کے اندر بیٹھ کر ذکر و شغل کرنے والا بھی اور میدان میں نکل کر اعداء اللہ سے غزو و قتال کرنے والا بھی۔ صوفیاء نے جہاد کی دو قسمیں قرار دے رکھی ہیں جہاد اصغر و جہاد اکبر۔ اس گھڑی مواجہہ اس ذات کا تھا جو جہاد اصغر اور جہاد اکبر کی جامع ہے۔ قبل اس کے کہ شیخ کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلے محض چہرہ پر نظر پڑتے ہی دل اپنے پہلو سے غائب تھا اور جس وقت شیخ نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا اور ان کے دست پاک سے اپنا دست ناپاک مَس ہوا جسم میں ایک تھرتھری سی پڑ گئی اور یہ معلوم ہوا کہ آنکھوں کے سامنے ایک بجلی سی کوند گئی آنکھیں پُرنم تھیں دل اندر سے بھرا چلا آتا تھا اور جی بے اختیار یہی چاہ رہا تھا کہ شیخ کے قدموں پر آنکھیں ملئے اور خوب رو رو کر دل کی بھڑاس نکال لیجئے۔ ع

اے ہلال ماخم بروئے تو۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ (سفرنامہ از عبد الماجد دریا آبادی مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۴۸ء ص۲۴۱ تا ۲۴۳)

طیبین کی زیارت سے واپسی پر آپ نے ایک طویل قصیدہ مدحیہ اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کیا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں ۔

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو
قسیم جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو

غریقِ بحرِ اُلفت، مستِ جامِ بادۂ وحدت
مُحبِّ خاصِ منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہلِ طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیا تم ہو

عرب میں جا کے ان آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو

تمہیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں
امامِ اہلِ سنّت نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

علیم خستہ اک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال آس کے شہا تم ہو

جب یہ اشعار سُنا چکے تو امامِ اہلِ سنّت نے اپنے قیمتی عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :

" مولانا ! آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں ؟ آپ اس دیارِ پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ تو آپ کے قدموں کے بھی لائق نہیں، البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت کا ایک جُبّہ ہے وہ حاضر کیے دیتا ہوں"[1]

مقرّرانہ صلاحیتیں

علامہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ جادو بیان اور شعلہ نوا مقرر تھے ۔ آپ نے اپنی سب سے پہلی تقریر جامع مسجد میرٹھ میں اس وقت کی تھی جب کہ آپ کی عمر صرف نو سال کی تھی، آپ اُردو کے علاوہ عربی فارسی اور انگریزی زبان میں بھی بڑی روانی کے ساتھ تقریر کرتے تھے اور اس موثر انداز سے تقریر کرتے تھے کہ خود اہلِ زبان بھی حیران رہ جاتے تھے ۔ آپ اپنے خیالات کی ترجمانی بڑے دلنشین انداز میں کرتے

---

[1] علامہ ظفرالدین بہاری ، حیات اعلیٰ حضرت جلد اوّل مطبوعہ کراچی ص ۵۱ ، ۵۲

تھے جس قسم کا اجتماع دیکھتے اسی قسم کی تقریر فرماتے۔[1] آپ نے ہر درجہ اور طبقۂ فکر کے لوگوں سے خطاب کیا۔ آپ نے ایک طرف اربابِ حل و عقد کی اہم مجالس جیسے رائل ایشیاٹک سوسائٹی شنگھائی ، اورینٹل کلچر سوسائٹی آف جاپان ، اسلامک کلچر سنٹر لندن (انگلینڈ) اور اسلامک سنٹر آف امریکہ وغیرہ میں بڑی پُرجوش اور مدلّل تقاریر کیں تو دوسری جانب افریقہ کے خانہ بدوش اور غیر تعلیم یافتہ قبائل کے مجمعوں سے بھی خطاب فرمایا۔ آپ کی انہیں مقررانہ صلاحیتوں کی بنا پر ایشیا، افریقہ ، اور یورپ کے مُسلم مورخین نے آپ کو عدیم النظر اوریٹر (ORATOR) مقرر قرار دیا ۔ چنانچہ ٹوکیو کے پروفیسر این۔ ایچ برلاس حضرت علامہ میرٹھی کی مطبوعہ تقریر بزبان انگریزی

(CULTIVATION OF SCIENCE BY THE MUSLIMS)

---

[1] علامہ مطیع الرضا قادری مدظلہٗ مقیم راولپنڈی اپنے مکتوب محررہ ۸ رمئی ۱۹۷۸ء[2] میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۳۹ء یا ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے کہ علامہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ چندوسی ضلع مراد آباد (یوپی انڈیا) کے جلسہ عید میلاد النبی میں تشریف لائے ایسٹ انڈیا ریلوے ٹریننگ سکول (E-I-R) کے مسلمان ملازمین نے حضرت کی خدمت میں گذارش کی کہ ٹریننگ سنٹر میں ہم لوگ جلسہ میلاد شریف میں حضور والا کے ارشادات انگریزی زبان میں سُننا چاہتے ہیں چونکہ وہاں بڑی تعداد میں انگریز اور اینگلو انڈین افسران شریکِ جلسہ ہوں گے ، حضرت نے درخواست منظور فرمائی اور دوسرے روز شہر سے باہر ٹریننگ سنٹر تشریف لے گئے۔ پہلے کسی صاحب نے اُردو اور انگریزی میں تقریر کی ۔ دوسری تقریر حضرت کی تھی جو تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی ۔ جلسے کے بعد ٹریننگ سنٹر کے انگریز انچارج نے صوفی عبدالغفار مستری سے کہا کہ مولانا انگریزی اس طرح بولتے ہیں کہ اگر سننے والا ان کی صورت اور لباس کو نہ دیکھ پائے تو اسے یقین کرنا پڑے گا کہ کوئی فاضل ترین انگریز تقریر کر رہا ہے ۔ پھر دیر تک کئی انگریز علامہ موصوف سے انگریزی زبان میں گفتگو کرتے رہے ۔ حضرت تبلیغ اسلام کے لیے خود تو دنیا بھر کا دورہ کرتے ہی تھے لیکن اس کے ساتھ ہی مختلف ممالک میں وہاں کے لوگوں پر مشتمل مبلغین کی بڑی تعداد بھی تیار کی، چنانچہ ڈربن جنوبی افریقہ کے صاحبِ ثروت خاندان سے مولوی محمد بشیر افریقی اور دوسرے مولوی محبوب خدا بخش صاحب افریقی مدرسہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ میں میرے ساتھ پڑھتے رہے ہیں ۔ اسی طرح نادار طلبہ کو حضرت اپنے ساتھ ہندوستان لاتے ان کے اخراجات خود برداشت کرتے اور فراغت کے بعد ان کے وطن واپس بھیج دیتے ۔

[2] المتوفی ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء [2] بنام راقم محمد صدیق فانی

(مسلمانوں کی سائنس میں ترویج)

کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں :۔

"FOR A FULLER APPRECIATION ONE MUST HERE MAULANA SIDDIQUI FROM THE PLATFORM ONE IS SURE TO BE CHARMEDLIKE THE AUDIENCE HERE BY HIS MAGNETIC PERSONALITYAND ORATORICAL POWERS, HIS LOUD AND IMPRESSIVE BUT MUSICAL VOICE AND SPLENDID DELIVERY."

ترجمہ : ہر شخص مولانا صدیقی کو پلیٹ فارم پر بولتے ہوئے سُن سکتا ہے اور اس سے محظوظ ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ ایک جانب مولانا کی مقناطیسی شخصیت ہو دوسری جانب ان کی نغمہ بار آواز اور تیسری جانب اُن کی ٹھوس اور مدلل تقریر ہو۔"

کارہائے نمایاں

حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ کی تبلیغ و اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ان کے تذکرے کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ حضرت مولانا صدیقی کے چند ایک کارہائے نمایاں بیان کئے جاتے ہیں۔

علامہ صدیقی نے اپنی حیات مبارکہ کے تقریباً چالیس سال امریکہ، براعظم افریقہ، انگلینڈ، انڈونیشیا، سنگاپور، ملایا، چین، جاپان، کینیڈا، فرانس، ٹرینی ڈاڈ اور فلپائن وغیرہ میں تبلیغ اسلام میں گزارے۔ انگریزی زبان میں "مسلم ڈائجسٹ" ڈربن ساؤتھ افریقہ "سٹار آف اسلام" کولمبو اور مسلم اینوول ماہنامے آپ کی یادگار ہیں۔ ملایا میں جناب محمد ابراہیم الساگوف کے تعاون سے عربی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی۔ بہت سی مساجد تعمیر کرائیں۔ عظیم الشان مساجد میں حنفی جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد

سنگاپور اور مسجد ناگریا جاپان خاص طور پر مشہور ہیں۔ آپ کی تبلیغ سے پچاس ہزار سے زائد غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا جن میں بورنیو کی شہزادی

(Her Highness princess Gladys Palmer Khairunniss of Sarawark Staateborneo)

ماریشس جنوبی افریقہ کے فرانسیسی گورنر مروات

(Governor Merwate Tiffrnch Statesman)

ٹرینی ڈاڈ کی خاتون وزیر

(Murifl Donawa Fatima)

اور ڈاکٹر صادق جارج اینٹونوف جیسے ممتاز امریکن سائنسدان کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ [۲]

آپ کی انہی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فلپائنی مندوب ڈاکٹر احمد نے جشن نزول قرآن کے موقع پر علمائے کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :۔

"آج ہمیں برصغیر پاک و ہند کے مشہور مبلغ مولانا عبدالعلیم صدیقی کی طرح دین کی تبلیغ و اشاعت کرنا چاہیئے مولانا نے فلپائن کے جزیروں میں اسلام کی تبلیغ کے لیے مدرسے، لائبریریاں اور مساجد بنوائیں اور ماہنامے اور ہفت روزہ جریدے جاری کیے، ہمیں اسلام کی جو روشنی ملی ہے انہی سے ملی ہے ان ہی کی مساعی جلیلہ سے ہم مسلمان ہوئے۔" [۳]

[۱] تذکرہ اکابر اہلسنّت محمد عبدالحکیم شرف قادری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء صـ ۲۳۸

[۲] ذکرِ حبیب حصہ اوّل مطبوعہ المرکز الاسلامی بی بلاک شمالی ناظم آباد کراچی صـ ۷

[۳] روزنامہ جنگ راولپنڈی ۳ر اکتوبر ۱۹۶۹ء

تبلیغی خدمات

مبلغ اسلام علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی علیہ الرحمۃ کے غیر ملکی دوروں کا مختصر خاکہ اور تبلیغی کاموں کا سرسری جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۹۱۴ء

برما کے مشہور شہروں میں تشریف لے گئے اور وہاں تقاریر کیں۔ یہ آپ کی کالج کی طالب علمی کا زمانہ تھا۔ آپ نے تقاریر کے علاوہ برما میں رہنے والے مسلمان طلبہ کی ایک جماعت "برما مسلم ایجوکیشنل" کانفرنس تشکیل دی۔[۱]

۱۹۱۵ء

برما مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی خصوصی دعوت پر سالانہ سیشن کے موقعہ پر تشریف لے گئے۔ آپ کو صدارت کا عہدہ دیا گیا۔ اس کانفرنس میں آپ نے جو خطبہ صدارت دیا وہ ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچا اور آپ کی علمی شخصیت مشہور ہوگئی۔[۲]

۱۹۱۹ء

مکہ مکرمہ گئے، فریضہ حج ادا کیا۔ خانہ کعبہ شریف میں درسِ قرآن بھی دیتے رہے۔ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ شریف حسین مکہ کو پورٹ وار کی یادداشت پیش کی۔[۳]

۱۹۲۱ء

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں انڈونیشیا گئے۔ تحریکِ خلافت کے مرکزی خلافت فنڈ میں آپ نے اور آپ کے دونوں برادر بزرگ مولانا شاہ احمد مختار صدیقی اور مولانا

---

[۱] ماہنامہ منارٹ (انگریزی) کراچی شش اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۴

[۲] ایضاً [۳] ایضاً

نذیر احمد خجندی[۱] نے تین لاکھ روپے چندہ جمع کیا۔[۲] مولانا عبد العلیم صدیقی نے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کے شانہ بشانہ کام کیا۔ تحریک خلافت[ب] کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور مسلمانان ہند کے سیاسی عروج کو ختم کرنے کے لیے مہاسبھائیوں نے پہلی بار یوپی اور دیگر صوبہ جات ہند میں شدھی کا جال پھیلانا شروع کیا تو مولانا عبد العلیم صدیقی نے ہر جگہ تبلیغی مراکز قائم کرنا شروع کیے۔ بمبئی، کرناٹک، احمد آباد، گجرات وغیرہ میں ایسی قیادت فرمائی کہ ان جگہوں پر مسلمان شدھی کی لعنت سے محفوظ ہوتے۔ علامہ صدیقی نے بمبئی کے قیام کے دوران پونہ میں ایک نیشنل ہائی سکول قائم کیا جس کا الحاق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے کرایا۔[۳]

---

[۱] مولانا نذیر احمد خجندی علامہ عبد العلیم صدیقی کے برادر بزرگ ہیں۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی بعد میں مدرسہ اسلامی عربی میرٹھ کے مدرس مولانا نور احمد سے تکمیل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد صحافت کی راہ کو اپنایا میرٹھ سے "تاجر" اخبار جاری کیا، اور بمبئی سے "غالب" آپ کی زندگی کا زیادہ حصہ بمبئی میں گزرا۔ حضرت مولانا شاہ خیر الدین کی تعمیر کی ہوئی مسجد خیر الدین کے امام اور خطیب اور ناظم تھے۔ آزاد پارک میں عیدین کے امام آپ ہی تھے۔ تبلیغ اسلام کے لیے برما کا سفر کیا۔ (تذکرہ علمائے اہلِ سنت محمود احمد قادری مطبوعہ کانپور انڈیا ص ۲۵۰) بقول ڈاکٹر فریدہ احمد کہ قائد اعظم کا نکاح بھی مولانا نذیر احمد نے پڑھایا تھا وہ لڑکی پارسی تھی اور مولانا کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ (ہفت روزہ افریشیا لاہور ۱۳؍جنوری ۱۹۷۸ء) انتقال سے ڈیڑھ برس پہلے آپ مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ ۱۳۵۵ھ میں شعبان کی کسی تاریخ کو انتقال ہوا۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

[۲] مولانا محمود احمد قادری: "تذکرہ علمائے اہل سنت" مطبوعہ کانپور انڈیا ۱۳۹۱ھ ص ۳۲)

[۳] مولانا یٰسین اختر مصباحی "امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں" مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۹۷

[ب] تحریک خلافت کے دور میں مولانا عبد العلیم صدیقی بھی دیگر علماء کی طرح ہنگامہ آرائی کی رو میں بہہ گئے تھے مگر بعد میں اسکی تلافی کر دی تھی۔

"تحریک خلافت اور علمائے کرام" یہ ایک الجھا ہوا مسئلہ ہے۔ مؤرخین نے آج تک اس کو مفصل سمجھنے یا سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ عام طور پر علماء کرام کو تحریک خلافت کا یا تو حامی کہا جاتا ہے یا مخالف۔ اس کا مطلب یہ نکالا جاتا ہے کہ تحریکِ خلافت کے حامی علماء کو ترکی سلطنت سے ہمدردی تھی اور مخالف حضرات کو ترکی کی سلطنت سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ (ترکی سلطنت مقامات مقدسہ اور مآثر شریفہ کی محافظ

۱۹۲۳ء

سیلون کے مختلف قصبات میں تقاریر کیں۔ مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں اتفاق و

(بقیہ صہ۲۳) اور خادم حرمین شریفین ہونے کی بنا پر سب مسلمانوں میں معظم تھی) اس تاریخی تحریک کو اگر تفصیل سے بیان نہ کیا جائے تو مذکورہ بیان غلط ہے۔

قصہ یوں ہے کہ معاہدہ سیورے پر دستخط کے بعد (بلکہ اس سے پہلے) برصغیر کے مسلم زعماء انگریزوں کے خطرناک عزائم سے آگاہ ہو چکے تھے اور ان کو ترکی سلطنت کے متوقع خاتمہ سے سخت صدمہ پہنچا۔ انگریزوں کی سرگرمیوں کے خلاف برصغیر میں احتجاج شروع ہو گیا۔ علی برادران اور دیگر لیڈروں کے خطابات سے ملک میں آگ سی لگ گئی۔ ۲۲ر ستمبر ۱۹۱۹ء کو "آل انڈیا مسلم کانفرنس" نے لکھنؤ میں سر ابراہیم ہارون جعفر کی صدارت میں احتجاجی جلسہ منعقد کیا جس میں مجلس خلافت قائم کی گئی۔ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کو ملک بھر میں یوم خلافت منایا گیا۔ (خطبہ صدارت سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون صدر آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقدہ ۲۸ر تا ۲۶ فروری ۱۹۲۷ء)

خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں مولوی فضل الحق کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں تحریک خلافت میں غیر مسلموں سے تعاون کی اپیل کی گئی جس کے نتیجے میں بہت سے ہندوؤں نے بھی شرکت کی۔ (خطبہ صدارت مولانا آزاد سبحانی اجلاس جمعیت علماء بہار مطبوعہ ملتان صہ۴۱)

اجلاس کے بعد ہندو اور مسلم لیڈروں کی ایک مشترکہ کانفرنس ہوئی جس کی صدارت کرم چند موہن داس گاندھی نے کی۔ اس اجلاس میں پنڈت موتی لال نہرو اور پنڈت موہن مالوی وغیرہ بھی شریک ہوئے۔ ہندوؤں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے مجلس استقبالیہ کے صدر آصف علی نے ترک ذبیحہ گاؤ کی تجویز ایجنڈے میں شامل کر دی۔ (تاریخ پاکستان از پروفیسر احمد سعید)

مسٹر گاندھی نے مسئلہ خلافت پر مسلمانوں کو ہندوؤں کی بھرپور حمایت کا یقین دلایا۔ ۲۸ر مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کا جلسہ ہوا جس میں عدم تعاون کا اصول تسلیم کیا گیا۔ (مہر منیر از مولانا فیض احمد)

بس اب کیا تھا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اکثر علماء حضرات بھی اس میں سرگرم رکن کی حیثیت سے شامل ہو گئے تحریک خلافت کا مقصد تو سلطان ترکی کی حمایت و اعانت تھا..... مگر سحر گاندھی میں آ کر لیڈر حضرات سے ایسے ایسے افعال سرزد ہوئے کہ جن کے تصور سے آج بھی حیا کے مارے سر جھک جاتا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے "تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم" پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ لاہور صہ۲۰۷ تا ۲۰۸) یہاں پہنچ

اتحاد پیدا کرنے کی سعی فرمائی۔ کولمبو میں میمن حنفی مسجد کی تعمیر کے لیے کام کیا۔ یہ مسجد پورے ملک میں سب مساجد سے زیادہ خوبصورت مسجد ہے[1]۔ سیلون کا ایک عیسائی وزیر مسٹر الیف کنگسن بیری مسلمان ہوا[2]

(بقیہ صہ۲۴) کہ علماء دو طبقات میں بٹ گئے۔ ایک وہ تھے جو سلطان ترکی کو خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے اس کی حمایت پر کمربستہ تھے۔ اور بعض وہ تھے جو سلطان ترکی کو سلطان المسلمین سمجھ کر اس کی حمایت کرتے رہے اس کے ساتھ ساتھ اوّل الذکر حضرات کی شرعی امور میں غلطی اور سیاسی امور میں عدم اجیرت پر انہیں ٹوکتے رہے۔

(عرف عام میں) مخالفین میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سرفہرست ہیں۔ لیکن ملاحظہ فرمائیے آپ فرماتے ہیں:

"سلطنت علیہ عثمانیہ ایدہا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنتِ اسلام ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت، ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں قرشیت ہونا کیا معنی۔ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے۔ اور وقت حاجت دُعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس سے عاجز نہیں۔ مال یا اعمال سے استعانت فرض کفایہ ہے۔"

(دوام العیش فی الائمۃ من قریش: امام احمد رضا بریلوی۔ مطبوعہ بریلی بار اوّل ۱۳۴۱ھ صہ۱۴)

---

[1] ماہنامہ منارٹ (انگریزی) کراچی شمارہ اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۴

[2] "امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں" مولانا یٰسین اختر مصباحی مطبوعہ کراچی صہ ۷۹

ہفت روزہ الفقیہ امرت سر ۲۸ر ستمبر ۱۹۲۹ء کے صہ ۴ کالم ۳ پر ہے کہ پادری ریورنڈ کنگ بری پروفیسر کولمبو یونیورسٹی نے ایک بڑے جلسہ میں آپ کی تقریر سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔

۱۹۲۴ء

۱۹۲۴ء میں جب کہ سب ہی اسلامی ممالک سیاسی بحران میں گھرے ہوئے تھے ان ایام میں آپ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے ۔ حکومت مکہ نے آپ سے مسلم کانگریس یروشلم کی کاروائیوں میں شرکت کی درخواست کی ۔ [1]

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۵) نیز فرماتے ہیں ۔ " رہا مسئلہ اعانت کا ۔ آپ لوگوں کے زعم میں سلطان اسلام کی اعانت کچھ ضرور نہیں ، صرف خلیفہ کی اعانت چاہیئے کہ مسلمانوں کو اُبھارنے کے لیے ادعائے خلافت ضرور ہوا ۔ یا سلطان مسلمین کی اعانت صرف قادروں پر ہے ۔ اور خلیفہ کی اطاعت بلا قدرت بھی فرض ہے یہ نصوص قطعیہ قرآن کے خلاف ہے ۔ (دوام العیش فی الائمۃ من قریش صہ ۲۴)

اس طرح کی بے شمار تحریرات میں آپ نے سلطنت ترکی کی حمایت کی اور " تحریکِ خلافت " کا خلاف بھی کیا ۔ لیکن شرعی امور کی بنا پر ۔ حتٰی کہ خود امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے سلطنت ترکی کے لیے چندہ دیا ۔ اور جماعت " انصار الاسلام " قائم کی ، اور مسلمانوں کو ترک امداد کے طریقے بتائے ۔ (برکات مارہرہ و مہمانان بدایوں از سید میاں محمد مارہردی مطبوعہ بریلی ۱۳۴۰ھ صہ ۱۲)

ایسے ہی دیگر محتاط علماء نے تحریک میں شامل ہوئے بغیر سلطان ترکی کی حتی المقدور امداد کی ۔ بعض علماء اہلسنت تحریک خلافت کے پاکیزہ مقاصد کے پیش نظر خلافت کے سرگرم رکن رہے ۔ وہ گاندھی کے ہم رنگ زمین جال کو نہ دیکھ سکے ۔ مگر جب ان پر بھی گاندھی کی دسیسہ کاریوں کا پردہ کھلا وہ بھی تحریک سے الگ ہوگئے ۔ ان کی شمولیت جذبہ صادقہ کے پیش نظر تھی اور علیحدگی شرعی وجوہات کی بنا پر ۔ سہولت کی خاطر ہم تحریک خلافت کے شرکار علماء کو چار شقوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔

(۱) جن حضرات نے اس تحریک میں حصہ لیا ۔ ان میں ایک منافقین کا گروہ تھا ۔ جو بہت پیش پیش تھا ۔ اس گروہ نے تحریک کے ساتھ محسن ملت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے خلاف بھی زبردست تحریک شروع کی ۔ جس سے ان کے خبث باطنی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ذرا ان کے نفاق اور خبث باطنی کا اندازہ

[1] " امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں " مولانا یٰسین اختر مصباحی مطبوعہ کراچی ۱۹۸۱ء صہ ۷۹

۱۹۲۵ء

دوسرا حج کیا اور تزکیہ نفس کے لئے مجاہدات کئے ۔ [1]

۱۹۲۷ء

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنے لیکچروں کے ذریعے انڈونیشیا کو الحاد کی طرف لانے کی مہم شروع کر رکھی تھی ۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی نے اس کا توڑ کیا ۔ انڈونیشی علماء کی تنظیم کے لیے کام کیا ۔ انڈونیشیا کی سب سے بڑی تنظیم " جمعیت المحمدیہ " کے پلیٹ فارم سے عیسائی مشنریوں اور قادیانیت کے حملوں کے خلاف اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد کے لیے کام کیا ۔ [2]

انڈونیشیا میں آپ کی تبلیغی کوششوں کا تذکرہ مولانا نور احمد قادری نے ان

بقیہ حاشیہ صہ ۲۶) اس سے کیجیے کہ سلطان ترکی اور عوام ترکی کے عقائد اور ان کے عقائد میں زمین و آسمان سے زیادہ فرق تھا ۔ اپنے عقیدے کے خلاف ترکوں کی امداد کرنے میں درپردہ ان کے کون سے مقاصد تھے مورخ پر مخفی نہیں ۔

(۲) بعض حضرات نے امداد میں زیادہ سرگرمی دکھائی ۔ اس کی سیاسی وجوہات تھیں ۔ یہ حضرات سمجھتے تھے کہ اغیار نے اس چال سے مسلمانوں کے معاشی اور سیاسی استحکام کو تباہ کرنے کا پروگرام بنایا ہے ۔

(۳) بعض وہ حضرات بھی تھے جو شروع میں شریک تھے لیکن تحریک خلافت شروع ہوتے ہی تحریک خلافت سے علیحدہ ہوگئے ۔ ان حضرات پر تحریک خلافت کے خفیہ ناپاک مقاصد واضح ہوگئے ۔ ان کی علیحدگی کی وجوہات خالصۃً شرعی تھی ۔

(۴) بعض سادہ لوح اور جذباتی حضرات وہ تھے جو مخالفین کی چال میں آگئے تھے اور بہت آگے نکل گئے مگر بعد میں ضرور پچھتائے ۔ یوں کہیئے کہ ان میں سیاسی بصیرت کا فقدان تھا مگر جذبہ صادقہ تھا ۔ " تفصیل کے لیے دیکھئے " تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم " پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء ص ۱۹۹ تا ۲۱۷ (فانی)

[1] ماہنامہ منارٹ (انگریزی) کراچی شمارہ اگست ۱۹۷۳ء صہ ۲۵ [2] ایضاً

الفاظ میں کیا ہے کہ جن :-

"علمائے اسلام کو انڈونیشیا میں نصرانی پادریوں کے مقابلہ پر اسلامی تبلیغ اور تحفظ دین کا
کام کرنے کی ضرورت کا احساس ہوا انہی علمائے ربانی میں حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی
قادری بھی تھے۔ حجاز سے واپسی کے بعد ۱۹۲۱ء میں انڈونیشیا پہنچ کر تبلیغ کا کام
کرنے لگے۔ حضرت مولانا اس صدی کی تاریخ میں عالم اسلام کی بہت بڑی
شخصیت گذرے ہیں۔ حضرت مولانا اس زمانہ کی الٰہ آباد یونیورسٹی کے بی۔ اے
ایل، ایل بی ہونے کے علاوہ نہایت بلند پایہ عالم ربانی اور صاحب کشف و کرامت
اہل اللہ اور غوث پاک کے سلسلہ قادریہ کے صاحب اجازت بزرگ تھے۔
فقہ حنفیہ اور شافعیہ میں کمال رکھتے تھے۔ انڈونیشیا میں وہ پھر اس کے بعد اپنے
ہر جنوبی مشرقی ایشیائی دَورے کے موقع پر برابر پہنچتے رہے اور کام کرتے رہے
ان کا یہ کام اب انڈونیشیا اور پاکستان دونوں ملکوں کے اسلامی روابط مذہبی
تاریخ کا ایک ایسا زرّین ورق بن گیا ہے جو برادران انڈونیشیا کے ساتھ
اہل پاکستان کی اسلامی محبّت و اخوت کی ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا۔ حضرت مولانا
کے حالات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اُنہوں نے انڈونیشیا کی تبلیغ اسلام
کے سلسلے میں عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ سرابیا (مشرقی جاوا) کا شہر ان
کی تبلیغ کا مرکز تھا۔ جہاں انہوں نے اپنے دوسرے دَورے ۱۹۲۷ء میں
ایک بڑا اسلامی مشن بھی قائم کیا۔ یہاں برصغیر ہند کے سوداگروں کی ایک
دینی انجمن بھی قائم کی جو برصغیر سے آنے والے مسلم مسافروں کا انتظام کرنے
کے علاوہ سیرت پاک کا جلسہ اور تبلیغ اسلام کے کاموں میں مالی معاونت
کرتی تھی۔ ایک تاریخی روایت کے بموجب مولانا نے اس ملک میں کم و بیش
پانچ ہزار نصرانیت یا دوسرا عقیدہ رکھنے والوں کو دوبارہ اسلام میں داخل
کیا اور بہت سوں کو اپنا مرید بنا لیا۔ اس لیے کہ وہ ایک صاحب کرامت
پیرِ طریقت بھی تھے۔ حنفی فقہ کا ایک مدرسہ بھی سرابیا میں اپنے قائم کردہ

مشن کے تحت کھلوایا۔ مجھے اپنی ریسرچ کے دوران میں ایک انڈونیشی اخبار
"پرڈمائیاں" میں ایک تصویر دستیاب ہوئی جو ۱۹۵۰ء کی ہے۔ اس تصویر میں
حضرت مولانا صدیقی انڈونیشیا کی وزارت اُمور مذہبی کے عمائدین کے ہمراہ
پورٹ پر کھڑے ہیں جہاں عمائدین نے اپنی وزارت کی طرف سے اُن کا
استقبال کیا تھا۔ یہ حضرت مولانا کا انڈونیشیا کا آخری دَورہ تھا۔" [1]

مولانا عبدالعلیم صدیقی نے ملایا میں اسلام پر قادیانی حملے کے اثر کو ضائع کیا۔ عربی،
اردو اور انگریزی میں تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ جس نے مسلمانوں کی مذہبی زندگی کو
حیات نوبخشی، بہت سے یورپی لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ بنکاک میں بھی وسیع پیمانے
پر تقاریر کا سلسلہ شروع فرمایا۔ بنکاک کی رائل لائبریری میں بدھ مت کے متعلق
ریسرچ کی۔ [2]

۲۹ - ۱۹۲۸ء

ماریشس میں قادیانی حملہ کا خاتمہ کیا۔ حزب اللہ کی بنیاد ڈالی۔ اس تبلیغی دورے
میں بہت سے ہندو اور عیسائی مسلمان ہوئے ان میں ماریشس کے فرانسیسی گورنر مروات
خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور انہی کے توسط سے آپ نے مراکش کے مشہور لیڈر
غازی عبدالکریم سے قید میں ملاقات کی اور یہاں سے نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کا دورہ کیا
نیوزی لینڈ میں اپنے شاگرد مسٹر عزیز ایچ عباسی کو تبلیغ کا کام سپرد کیا اور آسٹریلیا میں مشہور
فاضل ڈاکٹر محمد عالم کو مبلغ بنایا۔ [3] سیلون میں مسلم مشنری کی بنیاد ڈالی۔ یہاں سے

---

[1] ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۳ جولائی ۱۹۷۰ء

[2] ماہنامہ منارٹ (انگریزی) کراچی ش اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۵

[3] احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں ص ۸۱

اخبار کوکب اسلام جاری کیا جس کی ارادت مسٹر جے ماجد کرتے تھے۔[1]

تبلیغی دَورہ کے بعد جب آپ ہندوستان واپس تشریف لائے تو مسلمانان بمبئی نے آپ کی خدمت میں ان الفاظ میں تہنیت نامہ پیش کیا۔

بجناب مستطاب فضیلت مآب فاضل علوم مشرقیہ و مغربیہ
حضرت مولانا قاری حکیم شاہ محمد عبد العلیم صاحب صدیقی متوطن میرٹھ

محترم مولانا !

آج کا دن ہمارے لیے بیحد مسرت کا دن ہے کہ ہم اس دورِ تنزل و انحطاط میں ایک ایسی سچی کامیابی و ترقی پر مبارکباد پیش کرنی چاہتے ہیں جو اسلام جیسے مقدس مذہب کی بہترین خدمت کہی جاتے تو زیادہ موزوں ہوگا۔ "ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینہون عن المنکر" یہ وہ آیت کریمہ ہے، جو علماء حقانیہ کی ضرورت اور ان کے فرائض پر روشنی ڈال رہی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ اسلام کا ہر فدائی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنا فرض مذہبی سمجھتا اور پوری جدوجہد سے اس کو انجام دیتا تھا۔ جس کی بدولت تمام برّاعظم ایشیا۔ برّاعظم یورپ۔ برّاعظم افریقہ اور جزائر میں آفتاب اسلام نے اپنی روشنی پہنچائی اور دُنیا کو ایک سچے مذہب سے فائدہ اُٹھانے کا موقع ملا۔ پھر سینکڑوں برس گزر گئے، عوام کا تو ذکر کیا ایک عالمگیر غفلت نے علمائے کرام و صوفیائے عظام کو بھی دُنیا کے ہر گوشہ میں میٹھی نیند سلائے رکھا اور ان کو اپنے فرض منصبی کا احساس تک نہ ہوا۔ آخر بے دینوں کی سرگرمیوں نے، اعدائے اسلام کی جان گاہ مساعی نے، ضلالت پسندان عالم کی جان توڑ کوششوں نے اور زمانہ کی ٹھوکروں نے سوتوں کو جگایا، ہوش دلایا۔ دُنیا کی حالت

[1] امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں : ص ۷۹

کا صحیح اندازہ کر کے اپنے فرائض کو سمجھنے کا سبق پڑھایا تو از سرِ نو علماء و صوفیاء کو تبلیغ اسلام کا خیال آیا اور کم از کم ہندوستان میں اُنہوں نے مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا۔ لِلّٰہِ الحمد! کہ آج ہمیں یہ کہنے کا موقعہ بھی ہاتھ آیا کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں میں سے اہلسنّت وجماعت کا یہ مسلمہ نوجوان عالم ہزار تحسین و آفرین کے لائق ہے جس نے دُنیا کے تمام مشاغل سے منہ موڑ کر تبلیغ و اشاعت کا بیڑا اُٹھایا۔

معزز مہمان !

آپ کی زندگی کے حالات میں یہ سُن کر کہ آپ کو زمانہ طالب علمی ہی میں تعلیمات مذاہب عالم سے واقفیت حاصل کرنے کا ذوق تھا اور ایسی کتابیں پڑھنے کا شوق جو اس مخصوص مضمون پر روشنی ڈالیں۔ ہر اہلِ نظر کو آپ کی ہونہار طبیعت اور عالی حوصلہ فطرت سے یہی توقع ہو سکتی تھی کہ آپ ایک روز ترقی اسلام کے حقیقی بہی خواہ اور دین حق کے سرگرم خدمت گار ثابت ہوں گے۔ ہندوستان میں ایسے افراد کی تعداد ضرور نظر آئے گی اگرچہ وہ انگلیوں پر ہی گننے کے قابل ہوں۔ جن حضرات نے علوم قدیمۂ مذہبیہ کے ساتھ ہی ساتھ علوم جدیدہ بھی حاصل کئے۔ لیکن ایک پختہ عقیدے والا سچا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم جہاں تک خیال کرتے ہیں آپ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے انگریزی دانی سے صحیح صحیح فائدہ اُٹھایا۔

مختلف اخبارات میں یہ دیکھ کر فرحت ہوئی کہ آپ نے سیلون، جاوا، ملایا، مارشس اور ایسٹ افریقہ کے دوسرے جزائر میں تبلیغ اسلام کی وہ خدمات انجام دیں جنہوں نے پرانے پرانے تثلیث پرستوں کو حلقہ بگوش توحید بنادیا۔

۱۔ سیلون میں پادری ریونڈ کنگ بری پروفیسر کولمبو یونیورسٹی کا ایک معرکۃ الآرا جلسہ میں آپ کی تقریر سے اثر پاکر دولت اسلام کا شرف

حاصل کرنا ایک بےمثال کامیابی ہے ۔ خصوصاً جب کہ ان بزرگ نے اپنی عمر کے بیس برس محض خدمتِ نصرانیت پر صرف کئے تھے ایسے پختہ کار شخص کی طبیعت پر اسلام کا سکہ بٹھانا آپ ہی جیسے مقرر کا کمال تھا ۔ اور خدا تعالیٰ کا فضل آپ کے شاملِ حال کہ اُس نے یہ مقدّس خدمت اسلام آپ کے ہاتھ سے اتمام کو پہنچائی ۔

۲۔ اسی طرح برطانیہ فرانس اور امریکہ کے تین نصرانیوں کا آپ کے دستِ مبارک پر سنگاپور میں داخلِ اسلام ہونا ۔ خاص کر ان میں سے ایک شخص کا بیعت ہوکر روحانی تعلیم کا بھی فیض پانا آپ ہی کے شایان شان ہے ۔

۳۔ مارشس ایسٹ افریقہ میں تقریباً پچاس تثلیث پرستوں کو تعلیم توحید کا فریفتہ بنا کر اسلام کی خوبیاں ان کے دلوں میں بٹھا کر انگریزی زبان میں پیامِ الٰہی سُنا سُنا کر راہ مستقیم پر قائم کرنا آپ کے فیوضات میں سے زبردست فیض ہے جو حق پسند قلوب بھلا نہیں سکتے ۔

۴۔ مارشس اور جاوا میں قادیانیت کی بیخ کنی کرکے درجنوں "گرویدگان ضلالت قادیان" سے توبہ و بیعت لینا اور حقانیت اسلام کی تعلیم دینا بھی آپ کا نمایاں کارنامہ ہے ۔

۵۔ سنگاپور اور مارشس میں اسلامی اخبارات و رسائل کا اجراء بھی آپ کی دُور اندیشی کا ایک زریں باب ہے ۔ حق یہ ہے کہ تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے اخبار اور رسائل کی نہایت ضرورت ہے ۔ مولانا ! آپ کی خدماتِ عالیہ کے سلسلہ میں سب سے اہم بات جو ہماری نظروں کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ :-

۶۔ آپ نے یہ سب خدمات محض اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر متوکلانہ شان سے انجام دیں ۔ اب تک نہ کوئی انجمن آپ کی پشت پر ہے جو اس راہ کے مصارف کا بارِ گراں برداشت کرتی نہ کوئی شخصیت آپ کی ممد و معاون ہے ۔

ذاتی صرف زر کثیر کے ساتھ ان پاکیزہ خدمات کا انجام دینا فی الحقیقت آپ ہی کے بلند حوصلہ کی ایک بیش بہا مثال ہے ۔ جب ہم نے "سیاست" "زمیندار" اور دوسرے اُردو گجراتی رسائل و اخبار میں پڑھا کہ اس عظیم الشان سفر میں نہ آپ کو نام و نمود سے غرض تھی نہ چندہ کی طلب ، نہ نذرانہ کی خواہش ۔ تو حقیقت یہ ہے کہ ہماری حیرت بیش از بیش ہوگئی اور سچے دل سے آپ کے حق میں دعائیں نکلیں کہ مولا تعالےٰ آپ کو مزید توفیق عطا فرماتے اور ہر طرح آپ کی مدد کرے ۔

ہم یہ سُن کر بہت خوش ہیں کہ آپ عنقریب لندن ، پیرس اور امریکہ کا سفر بھی فرمانے والے ہیں قادر مطلق آپ کو کامیابی عطا فرمائے ۔

جنابِ مولانا !

تبلیغ و اشاعت کی اشد ضرورت ہوتے ہوئے بھی بمبئی کے مسلمان آج کل اس سے سخت غافل ہیں ۔ باوجودیکہ یہاں تبلیغی انجمنوں کے عملی کام تبلیغی اخبار اور تبلیغی رسائل کی سخت ضرورت ہے ۔ آپ کی علوئے ہمت سے سبق سیکھتے ہوئے ہم عنقریب اس خدمت کو اپنے ہاتھوں سے مستعدی سے انجام دیں گے اور توقع ہے کہ آئندہ ورود بمبئی کے موقع پر آپ ہمیں تبلیغی خدمات انجام دیتے ہوئے پائیں گے ۔

آخر میں ہم آپ کی خدمت میں پر جن کا بدلہ صرف خدائے جلیل دے سکتا ہے دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دست بدعا ہیں کہ :-

ربّ العزت آپ کے بلند ارادوں میں کامیابی اور ایسی کامیابیوں میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے ۔ آمین

آپ کے مخلصین :-

عہدہ داران و اراکین جمعیت علماء صوبہ بمبئی ، جمعیت عالیہ اسلامیہ صوبہ بمبئی ۔ انجمن ترغیب و تعلیم اسلام بمبئی [1]

[1] ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۸ ستمبر ۱۹۲۹ ء ص ۴

۱۹۳۱-۳۲ء

سیلون میں گرین پمفلٹ تحریک شروع کی۔ سنگاپور میں ماہنامہ "جنیل اسلام" انگریزی زبان میں جاری کیا۔ ملایا مسلم مشنری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ مارشیس کے مسلمانوں کا ایک وفد لے کر فنانشل کمشنر کے پاس گئے اور مسلمانوں کے چند مطالبات منوائے۔ حلقہ قادری اشاعت اسلام قائم کیا۔ ایک یتیم خانہ قائم کرنے کی تحریک شروع کی۔ ۱ے

مسلمانانِ مارشیس نے علامہ میرٹھی کی تبلیغی خدمات کو سراہتے ہوئے خبر دی کہ تقریباً دو سال ہوئے حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقی میرٹھی اس جزیرہ میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو دینی برکات سے مستفیض فرمایا جس کا اندازہ خارج از تحریر ہے۔ ۲ے

ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۸ رمئی ۱۹۳۱ء نے سنگاپور کے دورہ کی رپورٹ یوں لکھی۔

"دورۂ سنگاپور" ۷ راپریل ۱۹۳۱ء کی صبح کو جہاز ٹیریا کے ذریعے حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی وارد سنگاپور ہوئے۔ معززین شہر کا جم غفیر استقبال کے لیے ساحل پر موجود تھا۔ مولانا کے تشریف لاتے ہی جلوس ترتیب دیا گیا اور ۱۱½ بجے سے ۳ ربجے تک جلوس شہر کے مختلف حلقوں میں گشت کرتا رہا۔ بہت سے مواقع پر پھولوں کے ہار عطر و گلاب سے تواضع کی گئی۔ اس دن سے لگاتار عربی، انگریزی، اُردو تقریروں کا سلسلہ جاری ہے۔ دن بھر مسلم و غیر مسلم ملاقات کے لئے آتے اور مولانا کے مدلل طرز کلام سے اپنے شبہات میں تسلی پاتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں مسٹر سچندر ناتھ دت ایم۔ اے ایل، ایل، بی بیرسٹر ایٹ لا جو سنگاپور کے نہایت مشہور بیرسٹروں میں سے ہیں، مولانا موصوف سے ملے۔ چند ملاقاتوں میں دینی گفتگو اور چند تقریروں کی شرکت نے ان کو اس درجہ متاثر کیا کہ ۳ رمئی ۱۹۳۱ء یکشنبہ کی سہ پہر کو ۴½ بجے مدرسہ الجنید کے وسیع میدان میں ہزاروں مسلمین و غیر مسلمین مجمع کے سامنے

۱ے ماہنامہ منارٹ کراچی سش اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۵ ایضاً ماہنامہ اخبار اُردو اسلام آباد سش مارچ ۱۹۹۲ء ص ۲۰

۲ے ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۷ رمارچ ۱۹۳۱ء ص ۸

بطیب خاطر مولانا موصوف کے دست حق پرست پر مشرف باسلام ہوئے۔ اسلامی نام سراج النور دت رکھا گیا۔ بیرسٹر صاحب موصوف نے ایک مختصر تقریر میں مولانا ممدوح سے ملنے اور شبہات کا تسلی بخش جواب پانے کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ سنسکرت جانتے ہیں۔ کتب ہندو دھرم کا مطالعہ بھی کر چکے ہیں۔ ان کے والد سنسکرت کے مشہور فاضل اور بہت سی کتب ہندو دھرم کے مترجم تھے۔ موصوف نے اپنی زندگی برہمو سماج طریق پر گذاری۔ آخر مولانا کے فیض صحبت نے ان کو اس نتیجہ پر پہنچایا کہ بہترین زندگی اتباع رسولِ عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) میں ہے اور آج وہ برضا و رغبت اپنے مسلمان ہونے کے اظہار پر مسرور ہیں۔

مولانا موصوف اور سرداران عرب نے نومسلم بیرسٹر کی خدمت میں پھول کے ہار پیش کئے۔ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور صدائے تبریک و تحسین سے تمام میدان گونج اٹھا۔ وہ منظر قابلِ دید تھا جب مسلمان اپنے نئے بھائی سے معانقہ و مصافحہ کرتے ہوئے مبارکباد دیتے اور اپنی سچی محبت و اخوت کا اظہار کرتے تھے۔ آخر میں سب نے مل کر موصوف کے حق میں دعائے استقامت اور مولانا ممدوح کی عمر و علم و عمل میں برکت کی دُعا مانگی۔ اس کے بعد مولانا ممدوح نے "طریق فہم قرآن" کے عنوان پر ایک بلیغ بصیرت افروز خطبہ انگریزی زبان میں دیا۔ اس عنوان پر اس سے قبل بھی اسی میدان میں مولانا موصوف تین تقریریں فرما چکے تھے اور یہ اسی سلسلہ کی چوتھی تقریر تھی۔ اسی شب کو ۹ ربجے ایک فاضل انگریز ولیم ہیرلڈ سٹڈنس جو کئی بار مولانا سے مِل کر دینی مکالمہ کر چکے تھے اور مولانا کی کئی انگریزی تقریروں میں شریک ہو چکے تھے۔ مولانا موصوف کی قیام گاہ ڈاکٹر حفیظ الدین منشی کے بنگلہ پر تشریف لائے۔ اس وقت معززین شہر میں سے تقریباً پچاس۵۰ معزز مسلمان مولانا کے پاس موجود تھے۔ ان انگریز صاحب کے آتے ہی مولانا نے روئے سخن ان کی جانب کیا اور چند ہی منٹ کی گفتگو میں ان کے قلب پر ایسا اثر پڑا کہ اسی وقت کلمہ پڑھا مسیحیت سے توبہ کی اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسلامی نام ولی الحق سٹڈنس رکھا گیا۔

اسی وقت ایک قادیانی مرزائی بھی تائب ہو کر اسلامی برادری میں شامل ہوا۔ اگرچہ مولانا کو اپنی والدہ کی وفات کی اطلاع میرٹھ سے حال ہی میں موصول ہوئی مگر وہ خدمت

دین کے لیے کمربستہ ہیں اور ایک پادری سے مناظرہ کرنیکے لیے عنقریب عازم ہانگ کانگ ہونگے مالک عالم مولانا موصوف کا ممد ومعاون رہے۔ آمین (نامہ نگار) سنگاپور ۶رمئی۔ [1]

مولانا عبدالعلیم صدیقی سنگاپور میں اسلام کی بے بہا خدمات انجام دے کر تیرہ ممتاز مسیحی بدھسٹ اور ہندوؤں کو مشرف باسلام بناکر جمعیۃ دعوۃ اسلام ملایا کی تنظیم فرما کر جاوا میں تقریباً دو مہینہ قیام کرتے ہوئے ایک زبان ور از مشہور کیتھولک پادری کی بذریعہ دعوت مناظرہ زبان بندی فرماکر، مسلمانوں کے باہمی اختلافات مسائل کو نہایت حکمت عملی سے سلجھاکر:۔ ۲۵ر ستمبر ۱۹۳۱ء کی صبح کو بندرگاہ مارشس پر پہنچے۔ تمام جزیرہ کے قائم مقام جم غفیر نے پرتپاک استقبال کیا۔ ایک شاندار جلوس کی شکل میں حضرت مولانا موصوف قیام گاہ پر لائے گئے۔ جامع مسجد پورٹ لوئیس میں دو تقریریں فرمائیں۔ چہارشنبہ ۳۰ر ستمبر کو مسلمانان مارشس کی طرف سے اعلیٰ پیمانہ پر تہنیت نامہ خیر مقدم پیش کرنے کا انتظام کیا جارہا ہے۔

ایک ممتاز آزاد خیال لامذہب جو ۱۹۲۸ء میں حضرت علامہ موصوف کی تشریف آوری پر تین بار عام مباحثہ کر چکا تھا، مولانا کے تشریف لاتے ہی پھر سرگرم مباحثہ ہوا اور دو دن کی گفتگو کے بعد تشفی پاکر لاجواب ہوگیا۔ جامع مسجد کے بھرے جلسہ میں مشرف باسلام ہوا۔ سابقہ نام مسٹر جیوا لجینی تھیاڈو تھا۔ مولانا ممدوح نے اسلام کی تلقین کرتے ہوئے سند مطبوعہ دے کر اسلامی نام محمد یوسف رکھا۔

غالباً مولانا اواخر اکتوبر تک یہاں قیام فرماکر مڈغاسکر تشریف لے جائیں گے تاکہ وہاں تبلیغی تنظیم فرمائیں اور پھر موسم گرما میں یورپ جائیں گے۔ (شیخ رمضان سوداگر پورٹ لوئیس مارشیش) [2]

۲۸ر اپریل ۱۹۳۲ء کو جزیرہ مارشس کے مشہور دیندار تاجر شیخ یعقوب رمضان نے اپنی دختر نیک اختر کی تقریب نکاح کے موقعہ پر انتظام کیا کہ براڈکاسٹنگ ریڈیو کے ذریعے اطراف واکناف بلاد وامصار میں حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی تقریر دلپذیر

[1] ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۸ر مئی ۱۹۳۱ء صد ۱۰

[2] ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۷ر نومبر ۱۹۳۱ء صد ۳

کی آواز کو پہنچایا جائے۔ چنانچہ بعد خطبہ وعقد نکاح جب کہ اس پنڈال میں جہاں تین ہزار سے زائد نشستوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ تل رکھنے کو جگہ نہ رہی اور مشتاقان بیان ہند وعیسائی، مسلمان، یورپین غیر یورپین ہر طبقہ کے لوگ جوق در جوق شاہراہوں پر بھی گوش بر آواز تھے۔ درود شریف کے دلفریب نعروں میں حضرت مولانا موصوف جلسہ گاہ میں تشریف لائے اور خطبہ بزبان عربی تلاوت فرمایا، پھر فصیح وبلیغ انگریزی زبان میں "اسلامی شادی اور طبقہ نسوان پر اسلام کا احسان" کے عنوان پر ایک گھنٹہ سے زائد ایسی برجستہ وبے ساختہ تقریر فرمائی کہ مسلم وغیر مسلم جملہ حاضرین دور دراز کے سامعین تک محو حیرت بن گئے۔

اس مختصر وقت میں ایسی جامع ومانع مدلل تقریر حقیقۃً مولانا موصوف کے کمال علمی کا ایک نمونہ تھی۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ اردو زبان میں اوّل انگریزی تقریر کا لب لباب پیش فرمایا۔ ختم کلام پر تمام حاضرین بلکہ دور دراز مقامات کے مسلمان سامعین بھی حسب ہدایت مولانا موصوف باادب کھڑے ہوئے اور "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" کی دلفریب نظم میں سب نے مل کر دربار خیر الانام صلے اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ سلام پیش کیا۔ حضرت مولانا کی تقریر انگریزی ختم ہوتے ہی ایک فرنچ نوجوان مسٹر رینالڈ مولانا ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوکر بکمال ادب ملتجی ہوئے کہ ان کو بھی جامع کمالات مقدس دین اسلام میں داخل کیا جائے۔ اس درخواست کو سنتے ہی تمام مجمع نعرۂ تکبیر سے گونج اٹھا۔ اور حضرت مولانا نے اوّل اس نوجوان کو بزبان عربی تلقین کلمہ طیبہ کی، پھر انگریزی زبان میں میثاق اسلامی کے کلمات کہلواکر محمد علی کا مبارک نام ان کو دیا۔ [1]

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کے مواعظ کی دلفریبی نے جزیرہ مارشس اور اس کے اطراف وجوانب میں وہ اثر پیدا کیا اور ہر جگہ وعظ کا اشتیاق پیدا ہوگیا۔ محرم شریف میں جزیرہ کے مرکزی شہر پورٹ لوئیس کے ایک وسیع ہال میں مسلسل گیارہ جلسے ترتیب دیئے گئے۔ "ضرورت دین" پر مولانا کی تقریریں عجیب وغریب دلائل پر مشتمل تھیں۔ تقابل ادیان کے عنوان پر بھی نہایت نفیس تاریخی خطبہ دیا۔ جزیرہ ری یونین (فرنچ) میں بھی

[1] ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۱۴ر جون ۱۹۳۲ء صد ۹

جلسے ہوتے۔

۶ر جون ۱۹۳۲ء رات کو پانچ ہزار مسلم وغیر مسلم کے شاندار جلوس نے آپ کو ہندوستان آنے کے لیے الوداع کہا۔ حضرت مولانا سب شرکاء کو دعائیں دیتے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹھیک تین بجے جہاز شیرالا پر سوار ہوئے۔ ۷ر جون کی شام کو جہاز شیرالا پر حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی سے ایک جاپانی تاجر نے (جو مولانا کے کیبن کے قریب ہی ٹھہرے ہوئے تھے) دینی مسائل پر گفتگو شروع کی۔ مولانا نے اس دلفریب انداز پر اسلام کی خوبیاں ان کے ذہن نشین کیں کہ چند گھنٹے کی مختصر سی صحبت ہی میں وہ اسلام کا شیدائی بن گیا۔ شب ½۱۰ بجے بہ طیب خاطر مشرف باسلام ہوا۔ حضرت مولانا نے تلقین کلمہ کے بعد اسلامی عہدنامہ پر دستخط لیے۔ اسلامی نام محمد عبداللہ رکھا۔ تاجر موصوف کا جاپانی نام M.H. ASADA تھا اور بمبئی میں ربڑ کے جوتے کی فیکٹری قائم کرنے تشریف لے جا رہے تھے۔

۹ر جون کی صبح کو مسٹر اساڈا کے دوسرے رفیق M.G. INAUYE (ایم۔ جی۔ انائی) نے بھی مسٹر اساڈا کی ترجمانی سے دینی گفتگو شروع کی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی بے دینی پر شرمندہ ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ حضرت مولانا نے تلقین کلمہ کے بعد عہدنامہ پر دستخط لیے۔ حامد عبداللہ اسلامی نام رکھا۔ [۱]

۱۹۳۳ء

کولمبو کے نزدیک غفوریہ عربی سکول قائم کیا۔ سیلون مسلم مشنری سوسائٹی کی شاخیں کھولیں۔ مدینہ منورہ میں یتیم خانے قائم کرنے میں شریک ہوئے۔ نہر زرقہ کی مرمت میں حصہ لیا۔ [۲]

۱۹۳۴-۳۵ء

مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ کے شاگرد جے ماجد صاحب نے سیلون سے ماہنامہ سٹار آف اسلام (STAR OF ISLAM) جاری کیا۔ جو مضامین اور اشاعت کے لحاظ سے بہترین رسائل میں شمار کیا جاتا ہے۔

---

[۱] ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۸ر جون ۱۹۳۲ء صہ ۱۰
[۲] ماہنامہ منارٹ، کراچی سش اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۶

ڈربن (جنوبی افریقہ) میں انٹرنیشنل اسلامک سروس سنٹر قائم کیا، جو وہاں مشہور ماہنامہ "دی مسلم ڈائجسٹ" اور اسلامی کتب مکی پبلی کیشنز کے زیر اہتمام شائع کرتا ہے۔ آپ پہلے مسلم رہنما ہیں جو جنوبی افریقہ میں تشریف لائے اور بین الاقوامی شخصیت قرار پاتے۔ آپ زنجبار کے سلطان کے مہمان خصوصی ہوتے اور ان سے مسلمانوں کے مختلف مسائل پر گفتگو کی۔ [۱]
جنوبی افریقہ کے دوران قیام میں آپ نے ویٹ واٹرس رینڈ (WIT WATERS RAND) میں اہم خطبات اور تقاریر کیں۔ [۲]

۱۷ر اپریل ۱۹۳۵ء کو ممباسا (جنوبی افریقہ) میں جارج برناڈ شا سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے برناڈ شا کے مختلف سوالات کے جوابات اس انداز سے دیئے کہ دُنیا کا عظیم فلاسفر آپ کے سامنے طفلِ مکتب نظر آنے لگا۔ آپ نے اسلام اور عیسائیت کے اُصولوں کا تقابلی جائزہ تاریخ، سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اس طرح بیان کیا کہ جارج برناڈ شا کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ [۳]

۱۹۳۶ء

سنگاپور میں قیام کے دوران آپ نے یہاں سے مشہور انگریزی رسالہ (THE GENUIN ISLAM) "دی جینوئن اسلام" جاری کیا۔ اس رسالہ کی عنان ادارت آپ نے اپنے لائق شاگرد ڈاکٹر ایچ۔ ایس منشی کے ہاتھ میں دی اور ایک دوسرے لائق شاگرد سید ابراہیم الشگوف کو آپ نے آل ملایا مشنری سوسائٹی کا صدر بنایا۔ جس کی آپ نے خود ہی بنیاد رکھی تھی۔ [۴]
چین میں احیاء اسلام کے لیے کام کیا۔ ہانگ کانگ میں یتیم خانے کا سنگ بنیاد

---

[۱] ماہنامہ منارٹ (انگریزی) کراچی سش اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۶
[۲] "امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں" صہ ۸۰
[۳] تذکرہ اکابر اہلسنت مولف مولانا عبدالحکیم شرف قادری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء صہ ۲۳۹
[۴] "امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں" صہ ۸۰

رکھا۔ جاپان کے مشہور شہر کعب کی جامع مسجد کمیٹی نے آپ کو دعوت دی۔ جاپان کے مسلمان آپ کی تقریر کے دلدادہ تھے۔ جاپان کی اورنشنل کلچرل سوسائٹی ٹوکیو نے آپ کو خاص طور پر مدعو کیا اور تقریریں کروائیں۔ [1]

۲۷ جولائی ۱۹۳۶ء کو جاپان ہی میں اورین اِن گنزا ٹوکیو کے مقام پر ٹوکیو انٹرنیشنل کلب کی جانب سے دی گئی دعوت پر (WOMEN AND THEIR STATUS IN ISLAM) "عورت اور اس کا اسلام مقام" کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ [2]

اس کے علاوہ ایشیائی ثقافتی سوسائٹی ٹوکیو کے زیر اہتمام منعقدہ جلسے میں CULTIVATION OF SCIENCE BY THE MUSLIMS.

"مسلمانوں کی سائنس میں ترویج" کے موضوع پر تقریر کی۔ [3]

۱۹۳۷ء

مکہ معظمہ میں شاہ ابن سعود سے ان مشکلات کا ذکر کیا جو دوران حج یورپی نومسلم حجاج کو پیش آتی ہیں۔ [4]

۱۹۳۸-۳۹ء

سیلون میں حزب اللہ قائم کی۔ مارشس میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے جو شاندار خدمات سرانجام دیں اس کے پیش نظر وہاں کے مسلمانوں نے آپ کو مارشس تشریف لانے کی دعوت دی لیکن آپ کی اسلامی تبلیغی مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ مسلمانانِ مارشس کو سات سال کا عرصہ انتظار کرنا پڑا۔ چنانچہ آپ تیسری مرتبہ ۳۰ مارچ ۱۹۳۹ء کو مارشس تشریف لائے۔ دوسرے قصبات کے علاوہ آپ نے قیام مارشس کے دوران صرف جامع پورٹ لوئیس میں پچیس [25] تقاریر کیں، جو کہ مارشس ریڈیو سے بھی براڈکاسٹ ہوئیں۔

---

[1] ماہنامہ منارٹ (انگریزی) کراچی شش اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۷

[2] یہ تقریر ماہنامہ منارٹ کراچی شش مئی ۱۹۷۴ء میں شائع ہو چکی ہے۔

[3] یہ تقریر انگریزی ماہنامہ المنارٹ کراچی اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۷۲ء کے شماروں میں قسط وار شائع ہو چکی ہے۔

[4] "المنارٹ" اگست ۱۹۷۳ء کراچی ص ۲۷

مارشس گورنمنٹ سے آپ نے ایک کی سرکردگی کی حیثیت میں وہاں کے لیے اسلامی وقف لاء منظور کرایا۔ جو کہ وہاں کے مسلمانوں کے لیے ایک خاص پیچیدہ مسئلہ بن گیا تھا۔ مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں اتفاق و اتحاد کے لیے آپ نے "مسلم یونٹی بورڈ" قائم کیا۔ ۳ مئی ۱۹۳۹ء کو عید میلاد مسلم کانفرنس کا عظیم الشان انعقاد آپ کی ہدایت و راہنمائی کے مطابق ہوا اس مقدس اجتماع میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شان و سیرت پر تقریر سننے کے لیے پورے مارشس سے مسلمان جوق در جوق آئے۔ مارشس کے فرانسیسی گورنر سر بیڈی کلفورڈ اور دیگر زعما حکومت بھی تشریف فرما تھے۔ اس اجتماع میں آپ نے نوے منٹ کی تقریر میلاد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر کی۔ آپ کی مؤثر اور پُرجوش تقریر کے دوران مکمل سکون رہا اور لوگوں نے بڑی توجہ سے آپ کی تقریر سُنی۔ تقریر ختم ہونے کے بعد تمام زعماء حکومت نے آپ کو مبارکباد دی اور آپ کی خدمات کو سراہا۔ [1]

۱۹۴۰ء

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں قرار داد مقاصد (قرار داد پاکستان) کی منظوری سے قبل مولانا عبدالعلیم صدیقی نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ مسلم لیگ اور مسٹر جناح سے سیاست کا کام لیں کیونکہ فی زمانہ علماء کرام یورپین سیاسیات اور ہندوستان کے غیر مسلموں خصوصاً ہندوؤں کی ڈپلومیٹک دسیسہ کاریوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ موجودہ زمانے میں ہندوستان کے اندر آئینی جنگ ہو رہی ہے۔ اس جنگ میں وہی مسلمان کامیاب ہو سکتا ہے جو انگریزوں اور کانگریسیوں دونوں کے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہو۔ [2]

---

[1] مرزا ارشاد احمد علیمی، حیات علیم رضا، مطبوعہ ساہیوال ۱۹۸۰ء ص ۴۸

[2] روزنامہ "خلافت" بمبئی، ۲۴ فروری ۱۹۴۰ء بحوالہ مجلہ مینارہ نور کراچی نومبر ۱۹۸۰ء، ص ۲۸

۱۹۴۰ء کی قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد مولانا عبدالعلیم صدیقی نے قیام پاکستان کی تحریک میں نہایت سرگرمی کا مظاہرہ کیا اور مختلف بلاد و امصار کے دورے کر کے علماء اہلِ سنّت، مشائخ عظام، اور عوام الناس کو اِس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوکر مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہوجائیں، تاکہ ان کے حقوق کی بازیابی کے لیے مؤثر انداز میں آئینی جنگ لڑی جاسکے۔[1]

۱۹۴۵ء

ہندوستان میں زبردست فسادات ہوئے۔ آپ نے پنڈت نہرو سے ملاقات کے دوران ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم وستم کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ بمبئی اور مدراس میں تقریریں کر کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی۔[2]

۱۹۴۵ء کے اواخر میں انتخابات کے موقع پر جہاں دیگر علمائے اہل سنّت، مسلم لیگ کے انتخابات میں کامیابی کے لئے کوشاں تھے وہاں مولانا عبدالعلیم صدیقی بھی اِس محاذ پر ڈٹے ہوتے تھے۔ آپ نے اکتوبر ۱۹۴۵ء میں بغرض حج عازم حجاز ہوتے ہوتے مسلمانانِ ہند کے نام ایک مؤثر پیغام دیا جس کے آخر میں آپ نے کہا کہ تمام برادرانِ ملّت کو علی العموم وقت سفرِ حجاز میں یہ آخری وصیت دیتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ جس طرح ممکن ہو، انتخابات جدید میں تمام اختلافات باہمی کو مٹا کر آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت میں ہمہ تن سرگرم ہوجائیں اور ابنائے وطن کے دامِ تزویر میں آکر اپنے شیرازے کو ہرگز منتشر نہ ہونے دیں اور یہ ثابت کر دکھائیں کہ مسلمان متحد و متفق ہیں، تاکہ جہاں جہاں مسلمانوں کو اکثریت ہے ان کی آزاد حکومت ہو، جس میں نفاذ قوانین واحیائے تہذیب و معاشرت دین کی پوری قوّت ان کو ہی حاصل ہو۔ اس کو خواہ پاکستان کا نام دیا جائے یا حکومت الٰہیہ کے نام سے مقلّب

[1] خواجہ رضی، مضمون شاہ عبدالعلیم اور ان کی سیاسی جدوجہد، مجلّہ مینارہ نور، کراچی نومبر ۱۹۸۰ء: ص ۲۸

[2] محمد صادق قصوری، اکابر تحریک پاکستان مطبوعہ لاہور ۷۶، ۱۹ء ص ۱۴۲

کیا جاتے۔[1]

مولانا عبدالعلیم صدیقی حج بیت اللہ وزیارت روضۂ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قصد کے ساتھ ہندوستان کے نامور علمائے اہل سنّت کے ساتھ مکّہ مکرّمہ حاضر ہوئے۔ قیام کے دوران روزانہ نماز عصر سے نماز عشاء کے ایک گھنٹہ بعد تک مصلّٰی مالکی میں حاضر رہ کر ذکر واذکار میں مشغول رہتے اور اہل عقیدت وگرد وپیش بیٹھنے والوں کو دینی مسائل کا فیض پہنچاتے۔[2]

۴۷ - ۱۹۴۶ء

علاّمہ عبدالعلیم صدیقی نے ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنّی کانفرنس میں شرکت فرما کر تحریک پاکستان کو تقویت پہنچانے میں نمایاں حصّہ لیا اور اس کے فوراً بعد مسلم لیگ کی طرف سے متعدد عرب ممالک کا دورہ کیا۔ انگلینڈ اور مصر میں کانگریسی ایجنٹوں سے پاکستان کے حق میں مباحثے کئے۔[3] اور نظریہ پاکستان کی اتنے مؤثر انداز میں وکالت کی کہ عرب علماء وعوام تہہ دل سے پاکستان کے مطالبہ کی حمایت پر آمادہ ہوگئے۔ اِس دورہ میں عظیم الشان کامیابی کے بعد آپ جب اکتوبر ۱۹۴۶ء میں وطن واپس ہوئے تو کراچی کی بندرگاہ پر مسلمانوں کے ایک کثیر اجتماع نے آپ کا والہانہ استقبال کیا۔ اور جمعیت سنّیہ، جامعہ قادریہ کراچی نے آپ کے اعزاز میں ایک عظیم الشان سنّی کانفرنس منعقد کی۔ جس میں صوبہ سندھ کے نامور علماء ومشائخ نے شرکت کی۔ اِس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے علامہ عبدالعلیم صدیقی نے کہا کہ:-

[1] اخبار دبدبہ سکندری، رام پور، ۱۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء بحوالہ مجلّہ مینارہ نور کراچی نومبر ۱۹۸۰ء: ص ۲۹

[2] ہفت روزہ الفقیہ، امرتسر، شمارہ ۲۱ تا ۲۸ نومبر ۱۹۴۵ء: ص ۶

[3] محمد صادق قصوری، اکابر تحریک پاکستان، مطبوعہ گجرات ۱۹۷۶ء: ص ۱۴۲

"موجودہ کانگریسی حکومت کے نظامِ عمل اور ہمارے پاکستانی نظامِ عمل میں ایک ایسا فلک پیما فرق ہے کہ جس کو کسی صورت میں منظور نہیں کر سکتے۔ ہمارا پاکستانی نظامِ عمل ایک مافوق البشر کا لایا ہوا، سمجھایا ہوا اور زمانہ ہائے ماضی، حال و مستقبل کے قدرتی قوانین پر منتج ہے۔ دنیاوی حکومتوں کے قوانین لمحہ بہ لمحہ روز و شب ترمیم و اضافہ کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں مگر اس مافوق الفطرت نبی (یعنی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین والمرسلین) کا لایا قرآنی نظامِ عمل اور قوانینِ حکومت کے ترمیم و تنسیخ سے مبرّا، زمانہ ہائے ماضی، حال و مستقبل پر حاوی ہے۔ اسی لئے میں مسلمانوں کے مجوزہ وطن کو "قدرتی پاکستان" کہتا ہوں، جس کی بنیادیں احکامِ قرآنی اور ارشاداتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں گی۔ ہمارے علماء و مشائخ نے اپنی روحانی قوت سے خانقاہوں میں خاموش بیٹھے ہوئے "پاکستانی لشکر" کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا ہے اور وہ اب میدانِ عمل میں آ چکے ہیں اور اب برصغیر کے مسلمانوں کا "قدرتی پاکستان" مقدر بن چکا ہے۔"

مولانا عبدالعلیم صدیقی نے اس موقع پر کراچی، سندھ کے علماء و مشائخ کو دعوت دی کہ وہ سنی رضا کاروں کی تنظیم کا کام شروع کریں اور دوسروں کو بھی اسلام کے بنیادی اصولِ خمسہ پر پابندی کی دعوت دیں۔ [1]

قائداعظم محمد علی جناح ہمیشہ مبلغ اسلام علامہ عبدالعلیم صدیقی کی ہمہ صفت شخصیت اور سحر بیانی سے متاثر رہے۔ چنانچہ قائداعظم نے ہی انہیں اسلامی ممالک میں تحریکِ

[1] دبدبۂ سکندری رامپور، ۱۱ر نومبر ۱۹۴۶ء بحوالہ مجلہ مینارہ نور کراچی نومبر ۱۹۸۰ء، ص ۲۹

پاکستان کے لیے راہ ہموار کرنے کے مشن پر بھیجا۔ [1]

ایسے وقت میں جبکہ علمائے اہلِ سنت قیامِ پاکستان کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے، علماء دیوبند پر مشتمل "جمعیت علمائے ہند" کانگریسی رہنماؤں کی حلقہ بگوشی میں مصروف تھی اور برابر اس مذموم کوشش میں لگی ہوئی تھی کہ اسلامیانِ ہند کا شیرازہ منتشر ہو جائے اور پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ایک رفیق خاص مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اپنی کتاب "قائداعظم محمد علی جناح میری نظر میں" میں لکھا ہے کہ:

"جون ۱۹۳۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کے اجلاس لاہور میں منعقد ہوئے جن کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ ان اجلاسوں سے مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید دہلوی نے بھی خطاب کیا اور کہا کہ دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات لیگ کے لئے پیش کر دے گا بشرطیکہ پروپیگنڈہ کا خرچہ لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لیے پچاس ہزار روپے کی رقم بھی طلب کی گئی جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی اس لیے محمد علی جناح نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ نہ اتنا سرمایہ لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے۔ اس لیے صرف قومی جذبے کے پیشِ نظر کام کیا جائے۔ ان علماء کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ ہندو کانگریس کی طرف ڈھلتے گئے اور کانگریس کے لئے پرچار

[1] ہفت روزہ چٹان لاہور، ۲۶ر جون ۱۹۷۲ء، ص ۱۲

[2] بحوالہ خطباتِ آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ گجرات ۱۹۷۸ء، ص ۴۸

کرنے لگے جو ظاہر ہے کہ ان کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی۔[1]

تحریکِ پاکستان کے کارکن میاں محمد شفیع روزنامہ مشرق کے م۔ش کالم میں لکھتے ہیں:۔

"۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں مسلم لیگ نے یونی نسٹ پارٹی کو مکمل طور پر پچھاڑ دیا جمہوریت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے لیڈر کو وزارت سازی کا موقع دے کہ اکثریت کے حق کو تسلیم کر لیا جاتا۔ لیکن کانگریس نے مسلم لیگ کو پاکستان کے محاذ پر ٹکٹ دینے کے لئے اپنے اصولوں کو طاقِ نسیان پر رکھ دیا۔ چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد نے جو ان دنوں کانگریس پارلیمانی بورڈ کے چیئرمین تھے۔ کانگریس ہائی کمان سے مشورہ کے بعد فلیٹی ہوٹل میں ڈیرہ جما لیا اور شکست خوردہ (انگریز کی پٹھو جماعت) یونی نسٹ پارٹی کے لیڈروں سے نامہ و پیام شروع کیا۔ مولانا آزاد ملک خضر حیات ٹوانہ کو شیشے میں اُتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور طے پایا کہ پنجاب میں کرنل سر ملک خضر حیات ٹوانہ کی قیادت میں اکالیوں اور کانگریس کے تعاون سے وزارت کی تشکیل کی جائے اور اس طرح

[1] مرزا ابوالحسن اصفہانی "قائداعظم محمد علی جناح میری نظر میں" مطبوعہ کراچی ص: ۳۰

(نوٹ) اس صورت حال سے علماء دیوبند کے ایک طبقہ نے یہ محسوس کیا وہ اس عظیم عوامی تحریک سے اپنے موقف میں لچک نہ ہونے کی بنیاد پر کٹے جا رہے ہیں۔ اس لیے مولوی اشرف علی تھانوی نے ۱۹۳۸ء میں لیگ کے اجلاس منعقدہ پٹنہ کے موقع پر ایک وفد قائداعظم کے پاس بھیجا جس نے قائداعظم کو اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ اس وفد میں دیوبند کے صفِ اوّل کے علماء شامل تھے۔ علمائے اہلسنت کی عوام الناس میں مقبولیت اور مطالبہ پاکستان کے پیش نظر ان علماء کے نزدیک مصلحت کوشی کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔"

(مجلہ مینارہ نور کراچی نومبر ۱۹۸۰ء صہ ۳۰)

مسلم لیگ کو اپوزیشن کے بینچوں پر دھکیل دیا جائے۔ پنجاب کے مسلمانوں کی اکثریت کے خلاف اس سازش نے پنجاب میں ایک سنیارٹی وزارت کے قیام کی راہ ہموار کر دی۔ وارث روڈ راجہ بریندر ناتھ کی کوٹھی فیئر فیلڈس میں مولانا ابوالکلام آزاد کی موجودگی میں یونی نسٹ پارٹی کے ساتھ کانگریس کے ساتھ شبھ بودا کا اعلان ہوا۔ اور اس کے فوراً بعد کانگریس اور اکالیوں کے کارکن ایک جلوس کی شکل میں کوئینز روڈ پر الشمس پہنچے۔ جہاں جے ہند کے نعروں کے ساتھ اس ناپاک گٹھ جوڑ کا پر جوش اعلان ہوتا رہا۔ یہ کوٹھی اب صاف میدان میں تبدیل ہو چکی ہے غالباً یہاں کاروں کی مارکیٹ کا افتتاح ہو گا۔

اگر مولانا ابوالکلام آزاد مسلم لیگ دشمنی میں ملک خضر حیات ٹوانہ کٹھ پتلی وزیر اعلیٰ بنانے میں کردار ادا نہ کیا ہوتا اور مسلم لیگ کو وزارت سازی کا موقع دیا گیا ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ پنجاب کی شہ رگ کے قریب سے تقسیم نہ ہوتی اور پنجاب اس فرقہ وارانہ کشت خون سے بچ جاتا۔ جس کے بعد سے پنجاب کی دھرتی لالہ زار بنی۔"[1]

مشہور مسلم لیگی کارکن ابوسعید انور انہی واقعات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"کانگریس اپنے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود انگریز کی پٹھو جماعت (یونی نسٹ پارٹی) سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہو گئی اور اس کا صدر (ابوالکلام آزاد) لاہور میں ڈیرے ڈال کر بیٹھ گیا۔ انگریز گورنر بھی اس یونی نسٹ کانگریس اتحاد میں دلچسپی لینے لگا اور مسلم اکثریت کے صوبے میں ایک حقیر مسلم اقلیت کے بل بوتے پر حکومت قائم کر دی گئی۔ یہیں سے تقسیم پنجاب کی ناپاک سازش کا آغاز ہوا اور ہمیں کٹا پھٹا پاکستان تسلیم کرنا پڑا۔[2]

[1] محمد شفیع، م۔ش کالم روزنامہ مشرق لاہور ۹ مارچ ۱۹۸۱ء

[2] ابوسعید انور، مضمون "گونم مشکل وگر نگویم مشکل" روزنامہ نوائے وقت ۲۴ فروری ۱۹۸۱ء

قیام پاکستان کے بعد مولانا عبدالعلیم صدیقی جب پاکستان آئے تو پہلی نماز عید مرکزی عیدگاہ گراؤنڈ میں پڑھائی۔ بابائے قوم محمد علی جناح نے آپ کی اقتدار میں نماز ادا کی۔ [1]

قائداعظم کے وصال سے کچھ عرصہ پہلے مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی عالمی دورہ سے پاکستان واپس آئے۔ کراچی میں پورے پاکستان کے علماء و مشائخ کی ایک عظیم کانفرنس منعقد ہوئی مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی کی نگرانی میں علامہ عبدالحامد بدایونی[2]، علامہ ابوالحسنات قادری[3]، مفتی صاحبداد خاں[4]،

---

[1] ہفت روزہ زندگی لاہور ۲۴ تا ۳۰ ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۱۰

(سندھ کے سابق گورنر میر رسول بخش تالپور نے ایک موقع پر کہا تھا کہ مجھے زندگی میں ایک نماز میں بڑا سرور حاصل ہوا اور وہ نماز میں نے قائداعظم کی ہمراہی میں مولانا عبدالعلیم صدیقی کے پیچھے ادا کی تھی۔ ہفت روزہ "افق" ۱۹ تا ۲۵ نومبر ۱۹۷۹ء ص ۶)

[2] ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ / ۱۸۹۸ء کو یوپی (بھارت) کے شہر میں پیدا ہوئے۔ اہل سنت کے ممتاز اکابر میں سے تھے۔ تحریک خلافت، تحریک شدھی، تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ مولانا ابوالحسنات قادری علیہ الرحمہ کے بعد جمعیت العلمائے پاکستان کے صدر منتخب ہوئے۔ آزادیٔ کشمیر میں بھی آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ تبلیغ اسلام کے لیے بیرونی ملک کے دورے کئے۔ بہت سی تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ۲۱ جولائی ۱۹۷۰ء کو کراچی میں وصال ہوا۔ (اکابر تحریک پاکستان ص ۱۰۵)

[3] ۱۸۹۶ء میں ریاست الور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ سے فارغ ہو کر ریاست الور ہی میں مذہبی خدمات سرانجام دیتے رہے ۱۹۲۶ء میں مسجد وزیر خاں لاہور کے خطیب مقرر ہوئے، تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۴۸ء میں تحریک آزادیٔ کشمیر کی حمایت کی، لاکھوں روپیہ فنڈ تحریک کے لیے جمع کیا — ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کی متحدہ مجلس عمل کے صدر چنے گئے۔ بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء بروز جمعہ وصال فرمایا (اکابر تحریک پاکستان ص ۴۶) [4] ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء میں بمقام لونی (مضافات سبی صوبہ بلوچستان) میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ قاسمیہ گڑھی یاسین مضافات سکھر میں مولانا محمد قاسم سے علوم و فنون کی تحصیل کی۔ ۱۹۱۷ء میں سند فراغت حاصل کی۔ جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ سندھ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ فن افتاء میں آپکو ید طولیٰ حاصل تھا۔ ۲۹ اگست ۱۹۶۵ء کو وصال فرمایا (تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۱۸۸)

علامہ سید احمد سعید کاظمی[1]، خواجہ قمرالدین سیالوی[2] رحمہ اللہ اور بہت سے علماء و مشائخ نے ایک جامع دستور آئین اسلامی کا مسودہ تیار کیا۔ اس پر علماء نے تائیدی نوٹ لکھے۔ مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی، مخدوم ناصر جلالی[3] پر مشتمل علماء و مشائخ کے وفد نے حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مسودہ آئین اسلامی پیش کیا۔ بانیٔ پاکستان بابائے قوم نے بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے مبلغ اسلام اور اُن کے رفقاء کو یقین دلایا کہ "ان شاء اللہ" قومی اسمبلی کے منظور کرنے پر بہت جلد اس آئین اسلامی کو نافذ کر دیا جائے گا۔ شدید علالت کی بنا پر ڈاکٹروں کے مشورہ سے آپ مرکزی دارالحکومت سے کوئٹہ تشریف لے گئے وہاں ان کی وفات ہو گئی۔ اور اس طرح بابائے قوم علماء سے کیا ہوا وعدہ پورا نہ کر سکے۔

علامہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ کو پاکستان سے جو والہانہ محبت تھی اس کا اظہار آپ کی اس دعا سے ہوتا ہے۔

"اے غلاموں کے سر تاج عزت رکھنے والے! اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے سن لے، سن لے! ہم بے کسوں، بے بسوں کی سن لے! ہم سیہ کاروں کے

---

[1] ۱۹۱۳ء میں امروہہ ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت علامہ سید محمد خلیل کاظمی امروہوی نے فرمائی۔ ۱۹۳۵ء میں ملتان میں مدرسہ انوار العلوم کی بنیاد رکھی۔ تحریک پاکستان میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ۱۹۴۶ء میں قرارداد پاکستان کی توثیق کے لیے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت کی، قیام پاکستان کے بعد جمعیت العلمائے پاکستان کی بنیاد رکھنے کے لیے ملتان میں علمائے اہلسنت کا کنونشن بلایا جس میں آپکو جمعیت کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۴ء جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ الحدیث رہے۔ ۱۹۸۶ء میں وصال فرمایا۔ (اکابر تحریک پاکستان ص ۵۱) [2] ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ کو سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۵۱ء میں تعلیم مکمل کی۔ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ ۱۹۷۰ء میں جمعیت علمائے پاکستان کے صدر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۴ء کی

سبب اپنے دین کو بدنام نہ ہونے دے ۔ دین کی عزت رکھے! عَلَم کو سرنگوں نہ ہونے دے، ہمیں قوت دے طاقت دے، حمیت دے، غیرت دے ۔ برصغیر ہند میں چھوٹی سی آزاد خود مختار پاکستانی حکومت تو نے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے ۔ اس کی حفاظت فرما ۔ اسے قوی سے قوی تر بنا اور صحیح معنیٰ میں اسلامی دولت اسلامی سلطنت اور الٰہی مملکت بنا، جہاں تیرا قانون تیرے احکام جاری ہوں تیرے دین کا عَلَم بلند ہو اور تیرے نام کا ابد الآباد تک بول بالا رہے ۔ مولیٰ! مولیٰ! اے رحم و کرم والے مولیٰ ہماری دُعائیں قبول کر! [1]

۱۹۴۸ء

عبداللہ بن سلیمان شاہ اُردن اور دوسری مشہور ہستیوں کے ساتھ حجاز مقدس میں عوامی مالیات اور اُن کی تنظیم کے مسائل پر گفت و شنید کی ۔ [2]

۱۹۴۹ء

ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ بدتر سلوک کرنے پر ہندوستانی وزیر اعظم پنڈت

بقیہ ص تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا ۔ ۱۹۸۱ء میں وصال فرمایا ۔

[3] مخدوم ناصر جلالی علیہ الرحمہ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا سید حامد جلالی علیہ الرحمہ کے ساتھ تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ ۷ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ کو وصال ہوا ۔

[4] روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۷ جنوری ۱۹۷۱ء ص ۳

[1] مولانا عبدالعلیم صدیقی: ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ کراچی ص ۷۱ بحوالہ اکابر تحریک پاکستان ص ۱۴۴ [2] ماہنامہ "منارٹ" انگریزی شمارہ ۹ اگست ۱۹۷۳ء ص ۲۸

جواہر لال نہرو سے ملاقات کر کے احتجاج کیا ۔ مساجد، مقابر اور دوسری اسلامی یادگاروں کی بے حرمتی کے خلاف مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کیا ۔ بمبئی اور مدراس میں تقاریر کیں ۔ علاوہ ازیں ملایا اور سنگاپور کے سلطان اور مسلمان لیڈروں سے ملاقاتیں کی ۔ سنگاپور میں آل ملایا مسلم مشنری سوسائٹی کی عمارت کے متعلق مستقبل کے صوبے بنائے ۔ سنگاپور میں عید میلاد کانفرنس کی یادگار تقریب کی صدارت فرمائی اور لادینی افکار و نظریات بالخصوص کمیونزم کے خلاف مسلمان، ہندو، سکھ، یہودی اور عیسائی مذہبی راہنماؤں کا متحدہ محاذ تشکیل کیا جس کا نام (INTER RELIGIOUS ORGANISATION) "تنظیم بین المذاہب" رکھا ۔ آپ کی انہی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے تنظیم میں شامل راہنماؤں نے مشترکہ طور پر آپ کو "فضیلت مآب" (HIS EXALTED EMINENCE) کا خطاب دیا" ماریشس کا مشہور اور کثیر الاشاعت روزنامہ "ایڈوانس" (ADVANCE) اپنی ۱۳ مئی ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں "UNE ORGANISATION INTER RELIGIOUS" کے زیر عنوان لکھتا ہے:

"MAULANA ABDUL ALEEM SIDDIQUI, THE MUSLIM THEOSOPHIST OF WORLD RENOWN, WHO HAS JUST ARRIVED, INTENDS TO ESTABLISH BEFORE HIS DEPARTURE FOR EUROPE AN INTER RELIGOUS ORGANISATION WITH A VIEW TO FOSTER BETTER RELATION BETWEEN THE BELIEVERS IN GOD THE ORGANISATION WILL BE OPEN TO ALL BELIEVERS WITHOUT ANY DISTINCTION AND ITS OBJECT WILL BENOT TO PREACH RELIGION BUT TOLERANCE, UNION AND LOVE WITH ONE ANOTHER. THE BASIC WORK OF PROPAGATING THE IDEA WAS ACCOMPLISHED. BUT THE FROMAL INAUGURATION OF THE ORGANISATION WAS POSTPONED TILL HIS EMIDENCO, MEETING WITH THE POPE OF ROME."

ترجمہ: مشہور و معروفِ زمانہ مسلمان عالم دین مولانا عبدالعلیم صدیقی جو کہ ابھی (ماریشس) تشریف لائے ہیں، یورپ جانے سے پہلے تنظیم بین المذاہب کے قیام کا ارادہ رکھتے ہیں اس نقطہ نظر کے مطابق کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کے اچھے تعلقات ہوں۔ تنظیم تمام ایمانداروں کیلئے بغیر کسی امتیاز کے ہوگی اور اس کا مقصد مذہب کی تبلیغ نہ ہوگا، بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ مفاہمت اتحاد اور محبت ہوگا۔ اس نظریہ کے پروپیگنڈہ کا بنیادی کام شروع ہوچکا ہے لیکن تنظیم کے مکمل مقاصد روم کے پوپ سے ملاقات تک حضرت مولانا ملتوی کئے ہوئے ہیں۔ [1]

ردِّ مرزائیت

علامہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے ردِّ مرزائیت میں اہم کردار ادا کیا۔ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی روایت کے مطابق کہ

"میرے والد ماجد نے ابتداء سے آخر تک افریقہ، ملائشیا، سیلون، یورپ اور امریکہ کی سرزمین پر ہمیشہ لوگوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی انگریزی زبان میں تصنیف (THE MIRROR) کے نام سے موجود ہے۔ جو کئی پبلی کیشنز (ڈربن۔ جنوبی افریقہ) نے شائع کی ہے۔ اور اردو زبان میں "مرزائی حقیقت کا اظہار" تصنیف موجود ہے۔

۱ مرزا ارشاد احمد علیمی، حیات علیم رضا، مطبوعہ ساہیوال ۱۹۸۰ء ص ۵۷

عربی زبان میں مصری چھپی ہوئی "المرآۃ" ہے۔ انڈونیشی زبان میں "مرزائی حقیقت کا اظہار" کتاب کا ترجمہ ہوا اور اس کی اشاعت کے بعد ملائیشیا میں زبردست تحریک اٹھی یہاں تک کہ ملائیشیا میں مرزائیوں کا داخلہ تک ممنوع ہوگیا تھا۔ [1]

تنظیم بین المذاہب الاسلامیۃ کا قیام

علامہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر مذہب کے لوگوں کے درمیان اخوت انسانی کے علمبردار تھے۔ تو یہ ناممکن تھا کہ آپ مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے اختلاف کو محسوس نہ کرتے۔ آپ اگرچہ اہل سنت بریلوی مکتبہ فکر کے نمائندے تھے لیکن جہاں تک فرقہ وارانہ تعصب کا تعلق ہے اس سے آپ کی ذات گرامی قطعی طور پر بری الزمہ ہے۔ بلکہ آپ نے مختلف اسلامی مکتب فکر کے علماء کی ایک تنظیم قاہرہ مصر میں محمد علی علوبہ پاشا کے تعاون سے قائم فرمائی، جس کا نام تنظیم بین المذاہب الاسلامیۃ رکھا۔ [2]

۱۹۵۰ء

مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ تبلیغ اسلام کے لئے امریکہ روانہ ہوئے۔ جہاں آپ کی آمد کا شدت سے انتظار تھا۔ مشرقی یونائیٹڈ اسٹیٹس کے مفتی اعظم حضرت عبدالرحمٰن لسٹر آپ کے شاگرد ہوئے۔

۱ انٹرویو مولانا شاہ احمد نورانی، ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی شمارہ اگست، ستمبر ۱۹۷۲ء ص ۱۰۸

۲ مرزا ارشاد احمد علیمی، حیات علیم رضا، مطبوعہ ساہیوال ۱۹۸۰ء ص ۵۸

شکاگو کے دوران قیام آٹھ امریکی مسلمان ہوئے۔ ایک دن شہر نیویارک کے سٹی ہال میں عالمانہ تقریر کی، جلسہ برخاست ہوتے ہی ۹۲ امریکیوں نے اسلام قبول کیا جن میں مشہور سائنس دان مسٹر جارج اینٹونوف اور اُن کی بیگم شامل ہیں۔ واشنگٹن میں مختلف علمی اداروں میں لیکچرز دینے کے بعد ۳۶ امریکن پروفیسرز اپنے اہل وعیال کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ واشنگٹن میں ہی (THE SOLUTION OF MAN,S PROBLEMS.) "انسانی مسائل کا حل" کے عنوان سے لاجواب تقریر کی[1]۔ میچی گن یونیورسٹی کا ہونہار ماہر تعلیم مسٹر عبدالباسط نعیم آپ کا شاگرد ہوا۔ اور مولانا کی زیر سرپرستی امریکہ سے ایک بلند پایہ اسلامی میگزین "THE ISLAMIC WORLD AND THE U,S.A" "اسلامی دُنیا اور امریکہ" جاری کیا[2]۔ کینیڈا میں گیارہ علمی اداروں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لیکچر دیئے۔ اومنٹن، کوبیک، اور مونٹریال میں عرصہ تک قیام کیا[3]۔ ٹرینیڈاڈ میں چھ ماہ تک قیام کیا اور اسلامی سرگرمیوں کے پھیلاؤ کے لیے ٹھوس بنیاد رکھی۔ جو کہ ان کے تشریف لے جانے کے بعد بڑی سرعت سے پروان چڑھی[4]۔ اس کے بعد آپ نے برٹش گیانا، ڈچ گیانا، انگلستان، فرانس، روم، حجاز، مصر، مارشس، ری یونین، مڈغاسکر، شرقی افریقہ، سیلون، ملایا، سیام اور انڈونیشیا وغیرہ کا دورہ مکمل کیا۔ ۱۹۵۰ء میں ایک خط جو کہ ———

[1] آپ کی یہ تقریر (QUEST FOR TRU HAPPINESS) کے عنوان سے ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشن کراچی نے شائع کی ہے اور اس کا اردو ترجمہ "حقیقی مسرت کی تلاش" کے نام سے ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی مئی ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سے پہلے مولانا محمد حسین آسی بی۔ اے نے بھی "انسانی مسائل کا حل" کے نام سے ترجمہ کیا تھا، جو متعدد مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔

[2] مولانا یٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ کراچی صہ ۸۲

[3] ایضاً

[4] (THE CHALLANGE TO THE MUSLIM COMMUNITY OF TRINIDAD AND TOBAGO - BY IMRAN NAZAR HUSSAIN)

[5] ذکرِ حبیب، مطبوعہ المرکز الاسلامی۔ بی بلاک شمالی ناظم آباد کراچی صہ ۶

علامہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ نے قاہرہ (مصر) سے عیسائیوں کے پوپ پال کو لکھا تھا اس خط کے ایک ایک جملے سے آپ کے ان احساسات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو لادینیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے پیش نظر آپ کے ذہن میں اُبھر آئے۔[1]

ڈھائی سال کے بعد ۲۱ مئی ۱۹۵۱ء کو کراچی تشریف لائے۔ یہ دَورہ کراچی سے اکتوبر ۱۹۴۸ء کو شروع ہوا تھا۔[2]

۱۹۵۱ء

کراچی میں جمعیت علمائے پاکستان کے اجلاس منعقدہ ۲۵، ۲۶ اگست آرام باغ میں ملت کے مسائل اور علماء و مشائخ کی ذمہ داری پر ایک علمی اور تحقیقی خطبہ دیا۔[3]

۱۹۵۲ء

حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ ۱۹۵۲ء / ۱۳۷۱ھ میں تبلیغی مشن پر افریقہ تشریف لیگئے۔ وہاں نیروبی میں مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب افریقی علیہ الرحمۃ سے ملاقات ہوئی۔ یہ افریقہ کے بلند پایہ مشائخ میں سے تھے۔ آپ نے علامہ صدیقی علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ میرے ارادت مند میرا مدفن یہاں بنانا چاہتے ہیں مگر میں درِ حبیبؐ کو اپنا مسکن بنانا چاہتا ہوں، کیا آپ مجھے مدینہ شریف لے جائیں گے؟ علامہ صدیقی علیہ الرحمۃ نے وعدہ فرمایا، اُس کے بعد آپ نیروبی سے ممباسہ تشریف لے گئے۔ وہاں اطلاع ملی کہ مولانا عبداللہ شاہ صاحب ۱۳ اپریل کو وصال پا گئے ہیں۔ چنانچہ آپ فوراً نیروبی تشریف لائے اور مولانا کی میت کو خصوصی طیارہ کے ذریعے مدینہ پاک

[1] ہفت روزہ افق، کراچی ۱۹ تا ۲۵ نومبر ۱۹۷۹ء ص ۶

[2] ذکرِ حبیب مطبوعہ المرکز الاسلامی۔ بی بلاک شمالی ناظم آباد کراچی صہ ۶

[3] یہ غیر مطبوعہ قلمی خطبہ مولانا جمیل احمد نعیمی مہتمم دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے پاس محفوظ ہے۔

swept off the West but has also engulfed the Orient and, reinforced by some other external forces, has succeeded to some extent in disturbing the spiritual calm and moral equilibrium of the world of Islam, which has stood all these centuries as the meeting point and the balancing force between the East and the West.

Even more danger than the quantitative aspect is the qualitative phase of the menace. A hundred years ago, it was mostly of a negative character, expressing itself usually in metaphysical dialectics and attacking religion from the platforms of Scepticism and pseudo-Rationalism. It was then a force of minor importance which could not succeed in destroying the pleasant smell of human existence altogether. But, towards the middle of the nineteenth century, it assumed a more poisoness form in the hands of Karl Marx, whose doctrines of Philosophical Materialism and Ethical Hedonism penetrated human thought and action through the gates of social reform and, because of the unfortunate existence of social evils and neglect on the part of religious leadership, have ultimately succeeded in ravaging some of the fairest portions of humanity.

As your Lordship must be well aware, the avalanche of Marxist philosophy is descending upon the world with its full weight and with great speed. It has already crushed religious activity out of existence from nearly half the earth and bids fair to swallow the rest in due course. The reservoir faith in higher spiritual values seems to be drying fast.

On the other hand, the general wave of moral loose which originated in the West after the Industrial Revolution and which followed Western influences across Asia and Africa, has affected nearly the whole of humanity. The intelligentsia as well as the masses in every country seem to be in revolt—active or passive—against the accepted moral values.

Verily, humanity is in the grips of a mighty crisis and religious leadership is on trial. The process of disintegration in the domains of spiritual Faith and moral action is developing in a manner which no religious worker can afford to look upon with equanimity and watch as a passive spectator.

In the beginning, the struggle between religion and modern materialism was confined to the West alone. But the subsequent

"MAULANA SHAH MOHAMMAD ABDUL ALEEM R.A.'s LETTER TO POPE"

On the 31st July, 1981, the Press Secretary of the Vatican Pope John, in his press release appealed to the Muslim World that Muslims together with *the Christians can put a hindrance to the Materialistic Ideology particularly the development of Communism and Socialism in the Western countries as well as under developed countries. We feel that it is a timely call from Pope John Paul and we also realise that Pope John has come to the conclusion and realized the importance of the religious force of the Muslim World and arrived at the decision that the spiritual Moral and ethical values are only the correct weapon through which the enhancement of the non-religious and political activities of the Communistic countries can be put to an end.*

We are presenting below a letter of late Maulana Abdul Aleem Siddiqui R.A. who felt this danger long ago in the year 1949 wherein he issued a call to all the religious leaders to be united to combat the Secular and Communist institutions.—EDITOR.

C/O Al-Haj Mohammed Salim Salim,
19, Shari-al-Bustani,
CAIRO. (Egypt).
20th January 1950.

His Lordship Pope Pius XII,
The Vatican.
ROME.

Your Lordship,

It has been my privilege, for the past forty years, to serve and guide humanity spiritually and morally on behalf of Islam in various parts of the world. During this period of humble service in the Path of God I had the occasion to feel the pulse of humanity and to watch at close quarters the mighty wheel of revolution which is dragging mankind away from God and His Moral Law, on the one hand, and from international peace, on the other.

The extent to which the progeny of Adam has entered the abyss of spiritual and moral inertia is so evident as to be well-known to every worker in the religious field. The cult of modern materialism, which raised its head simultaneously with the European advancement in natural sciences, has now become a universal danger. It has not only

imperialist expansion of Western Powers brought it to the East. The world of Islam, which, in spite of material weakness caused by its reversion of policy as regards scientific education, had been maintaining till then its moral and spiritual stability, was subjected to the heaviest attacks for ultimately wiping out the Islamic religion. These attacks still continue in multifarious forms and with greater intensity. But it is an irony of facts that the ultimate result has been only the creation of such forces of irreligion and immorality which, if they succeed, are bound to threaten the very existence of human society, not to speak of those higher values for which the great Teachers and Holy Personages of the world including Moses and Jesus, (God bless them all!), worked.

I do not mean to apportion blame. In fact, I believe that we Muslims are more blameable inasmuch as we permitted the Western influences to succeed. What I mean actually to say is that the present spiritual and moral ailments of humanity had their origin in the West and that, consequently, it is primarily the responsibility of the religious leaders of the West, including your Lordship, to strive for cooperation with the rest of the world for the creation of such world-conditions under which religion and religious values can flourish.

The other aspect of the problem is the attainment of international Peace which has been receding all these years in the same ratio as irreligion has progressed, until we have reached today a critical stage where humanity stands in positive danger of losing all her noble heritage. The world-situation, controlled as it is unfortunately by materialistic considerations and mostly by personalities whose outlook is virtually bereft of higher spiritual and moral values, is highly explosive.

The forces of materialism, anti-religion and immorality have combined to frustrate human Peace and to exterminate religious influences. While themselves the greatest sponsors of discord, leaders of anti-religion are crying from the house-tops that humanity can never unite so long as religion exists in the world, thus throwing out a powerful challenge to religious leadership and trying to gain by diplomatic subterfuge.

This complex situation necessitates a struggle by the religious world on three fronts: (1) Spiritual regeneration; (2) Moral re-

armament; p (3) Creation of International Goodwill for the attainment of World-peace.

But, should this struggle be carried on by the religions of the world separately or unitedly? That is a vital question.

I, for my part, believe that our method should be co-operative and our struggle united. For, after all, with all their differentiation, there are so many things which all the great religions of the world hold in common, viz., the belief in a Supreme Moral Power, the belief in absolute moral values and the belief in the oneness of mankind. And it is these three things alone with which we are concerned here.

For one thing, international good-will and the concomitant world-peace is inconceivable without religious toleration. Unfortunately, however, the role of formal religion is not very encouraging in this respect. Positively speaking, hatred and blackmail cannot form part of the true mission of religion which actually consists in spreading light and virtue and love.

Thus keeping before ourselves the three-fold mission and concentrating first upon the moral aspect of religious effort, we the followers of world's great religions can, or rather, should, unite against the onslaught of irreligion and immorality, while remaining loyal to our individual Faiths. This will ensure peace and progress through religion, will guarantee the universal moral growth of humanity and will safeguard the religious values in general.

For the practical realisation of this view, I convened a conference of the various recognised religions in Singapore in January 1949, and we together established a society named as the INTER-RELIGIOUS ORGANISATION. All the active religious groups — the Muslim, the Buddhist, the Roman Catholic, the Protestant, the Hindu, the Sikh, etc.—were included in the constitution. Soon after I also established a similar society in Indonesia and my efforts in this direction continue. The Roman Catholic dignataries have not, however, been able yet to participate in the organisation because they are awaiting your Lordship's command.

I am sure your Lordship is as grieved over the spiritual and moral degeneration of humanity as I am. Consequently, your Lordship being the highest authority in the Roman Catholic Church, I feel I should

meet you personally and discuss the problems before us, including that of the participation of the Roman Catholic Church in our world-struggle. In case you may not agree with my solution, I would like to know your views on the problem and your methods of achieving the ends outlined above. I am, therefore, coming to Rome and request you to kindly give me an appointment for interview *by cable* so that I may take the earliest opportunity of flying from here to Rome and of proceeding from there to America. For my part, I intend to leave Cairo on the 1st of February 1950.

Before concluding, I wish to clarify an important fact. From the point of view of religious stability, the world of Islam is still perhaps the strongest unit, in spite of the tremors and quakes and constant attacks from without, and Islam still possesses the initiative and the remedy. It is, therefore, not with any sense of weakness on the part of Islam but in the interests of large-hearted toleration and cooperation in the noble task of working unitedly for the common aim of the spiritual and moral regeneration of humanity at large—of all men and women irrespective of their creeds and colours—that I have desired to forge a united religious world-front. This, in fact, has been the attitude of Islam since the time of the Holy Prophet Muhammad (God bless him!) and this is what the Holy Quran has taught the Muslims.

Hoping this letter will find your Lordship in the best of health—

I am,
Yours very truly,

From:
His Eminence Maulana
MUHAMMAD ABDUL ALEEM SIDDIQUI AL-QADRI,
c/o Al-Haj Mohammed Salim Salim,
19, Shari-al-Bustani,
CAIRO. (Egypt).

لے جانے کا اہتمام کیا۔ پرواز سے متعلق علامہ صدیقی علیہ الرحمۃ کے الفاظ یہ ہیں :۔

"طیارہ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوا۔ اڑھائی گھنٹے گزر گئے مگر مطار مدینہ (ایئر پورٹ) نظر نہ آیا۔ پائیلٹ راستہ بھول گیا تھا۔ پٹرول بھی صرف تین گھنٹہ کی پرواز کے قابل تھا۔ طیارہ پونے چار گھنٹے تک فضا میں چلتا رہا۔ بالآخر ہمیں ریل کی ایک پٹڑی نظر آئی۔ ہم نے پائیلٹ کو ہدایت کی کہ جنوب مغرب کی سمت پر طیارے کو لوٹائے اور ریل کی پٹڑی کی سمت پر چلے اس طرح الحمدللہ! بفضل خدا طیارہ منزل مقصود پر پہنچ گیا۔

اس طرح مبلغ اسلام علامہ صدیقی علیہ الرحمہ کا اپنے پیارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے گہرا عشق اور بے پناہ وابستگی ظاہر ہوتی ہے۔ آپ نے شاہ سعود سے خصوصی اجازت نامہ حاصل کر کے مولانا کی میت کو جنت البقیع میں دفن کیا۔ پھر آپ کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ آ گئے!

"حیف رُخصت ہو گئے الحاج عبداللہ شاہ"۔ حضرت نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نوازش سے اپنا وعدہ پورا کیا۔"[1]

---

[1] روزنامہ جنگ لاہور (اسلامی صفحہ) ۲۰ر اکتوبر ۱۹۸۲ء ص : ۱

حضرت مولانا الحاج سید محمد عبداللہ شاہ صاحب غزنوی افریقی مدنی علیہ الرحمۃ کی پیدائش ۱۲۷۵ھ میں غزنی (افغانستان) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت ضلع ہزارہ سے شروع ہو کر لاہور، امرت سر سے گزر کر تکمیل دہلی میں ہوئی۔ خاندانِ غزنویہ کا یہ درخشندہ ستارہ ۴۵ سال تک سرزمین افریقہ پر چمکا۔

آپ نے ۲۶ رحج ادا کئے۔ نیروبی کینیا (افریقہ) ۱۷ر رجب ۱۳۷۲ھ/۱۳ر اپریل ۱۹۵۲ء کو بروز اتوار بارہ بجکر بیس منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا۔

تذکرہ حضرت سید محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

مطبوعہ لاہور ص ۱۱، ۱۴۸ (مملوکہ حکیم محمد موسیٰ امرتسری لاہور)

اسی سال تبلیغی دورہ پر افریقہ تشریف لے گئے وہاں ریڈیو زنجبار سے ۱۸ اپریل کو "کمیونزم کا توڑ" کے عنوان سے انگریزی میں تقریر فرمائی ۔

تصانیف

علامہ عبد العلیم صدیقی القادری علیہ الرحمۃ بہترین خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم ادیب بھی تھے جو کتابیں شائع ہوئیں ان کے نام درج ذیل ہیں ۔

1. QUEST FOR TRUE HAPPINESS.
2. THE PRINCIPLES OF ISLAM.
3. THE FORGOTTEN PATH OF KNOWLEDGE.
4. SHAVIAN AND THEOLOGIAN.
5. THE ELEMENTARY TEACHINGS OF ISLAM.(HANAFI)
6. THE FIRST TEACHINGS OF ISLAM.(SHAFA'I)
7. THE CODIFICATION OF ISLAMIC LAW.
8. CULTIVATION OF SCIENCE BY THE MUSLIMS.
9. THE UNIVERSAL TEACHING.
10. SPIRITUAL CULTURE IN ISLAM.
11. RELIGION AND SCIENTIFIC PROGRESS.
12. ISLAM'S ANSWER TO THE CHALLENGE OF COMMUNISM.
13. HOW TO FACE COMMUNISM.
14. WOMEN AND THEIR STATUS IN ISLAM.
15. MIRACLE IN THE LIGHT OF SCIENCE AND RELEGION.
16. THE MESSAGE OF PEACE.
17. HOW TO PREACH ISLAM.
18. THE PROBLEMS OF PEACE AND WAR.
19. THE MIRROR.
20. THE CLARION CALL.

(عربی)

۱: المراۃ القادیانیۃ

(اُردو) ۱ "ذکر حبیب" حصہ اول، حصہ دوم ۲ بہارِ شباب ۔
۳ احکام رمضان ۴ مرزائی حقیقت کا اظہار
۵ کتاب تصوف

"رحلت"

علامہ صدیقی علیہ الرحمۃ ۱۳۷۳ھ میں تبلیغی دورہ کے بعد عازم حج و زیارت ہوئے مناسک حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ حاضری دی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و کی یہ کیفیت تھی کہ دربار حبیب سے واپسی کو دل نہ چاہتا تھا اور دل سے یہ دُعا نکل رہی تھی ؎

علیمؔ خستہ جاں تھک گیا ہے دردِ ہجراں سے
الٰہی کب وہ دن آئے کہ مہمانِ محمد ہو (صلی اللہ علیہ وسلم)

۲۳ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۵۴ء کو مدینہ منورہ میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں مدفون ہوئے ۔

آپ کی نماز جنازہ میں دُنیائے اسلام کے اُن تمام مسلمانوں نے شرکت کی جو حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے ٹھہرے ہوئے تھے ۔ نماز جنازہ عاشق رسول حضرت علامہ شیخ محمد ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی ۔ خدا تعالیٰ تاقیامت حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پُر انوار پر رحمت برساتا رہے ۔

✻✻

قطعۂ تاریخ وصال

زبدۂ انام مولانا عبد العلیم صدّیقی میرٹھی

۱۳۷۴ھ

شاہ عبد العلیم صدّیقی

جاں نثارِ حبیبِ ربّ انام

اعلیٰحضرت کے نام پر قربان

غوثِ اعظم کے بندۂ بے دام

کی جہاں بھر میں دین کی تبلیغ

ہے جہاں بھر میں آج ان کا نام

مِل گئی جگہ مدینے میں

اس سے بہتر کہاں ہے، کوئی مقام

ہے یہ صابرؔ وصال کی تاریخ

نیک سیرت مبلّغ اسلام [۱]

۱۹۵۴ء

۱؎ صابر براری، تاریخ رفتگان، مطبوعہ ادارہ فکر نو کراچی ۱۹۸۶ء ص ۳۵

تأثرات

جناب رام غلام وزیر اعظم ماریشس (افریقہ)

جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہا،
"یہ خطہ پُرسکون ہے اور اس کے سکون کا سہرا مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی کے سر ہے۔ جنہوں نے اپنی تبلیغی کوششوں اور امن کی تعلیم سے یہاں کے باشندوں کو امن وسکون سے رہنے کا درس دیا۔" [1]

ممتاز ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی

ڈاکٹر قریشی صاحب نے شاہ عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ کی تبلیغی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا:۔
"میں ان کا بے حد احترام کرتا تھا۔ وہ اپنی ذات میں بے شمار خوبیوں کے مالک تھے، مولانا سے میری دو ملاقاتیں یادگار رہیں گی۔ پہلی اس وقت جبکہ آپ کی آنکھ میں سخت تکلیف تھی لیکن مولانا پھر بھی اپنے تحریکی کاموں میں بہت مصروف تھے، دوسری بمبئی میں نماز عید الضحیٰ کے موقع پر جبکہ آپ نے نماز کی امامت کے بعد یہ پُراثر دعا فرمائی تھی۔
یا اللہ! تو ہمیں اس ذلّت سے بچا کہ ہم غلاموں کے غلام بن جائیں۔" [2]

---

[1] روزنامہ جنگ کراچی ۲۷ر فروری ۱۹۷۸ء
[2] ہفت روزہ افق کراچی ۱۹ تا ۲۵ر مارچ ۱۹۷۸ء

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن انصاری القادری علیہ الرحمہ

"آپ (علامہ میرٹھی علیہ الرحمہ) کے مواعظ حسنہ نے لاکھوں مسلمانوں کے ایمان کو تازہ کر دیا، ہزاروں گرفتاران معاصی نے توبہ کی سعادت پائی، صدہا کفار حلقہ بگوش اسلام بنے جن میں ڈاکٹر جارج اینٹونوف جیسے ممتاز امریکن سائنسدان بھی تھے متعدد ممالک میں دینی اداروں نے آپ کی راہنمائی کو قبول فرما کر تاکہ آپ کے مبارک کام کو زندہ رکھیں اور آگے بڑھائیں۔ راقم الحروف کو عالمی سیاحت کے دوران تبلیغی میدان میں رفیق کار ہونے کا شرف حاصل رہا نیز حضرت کی زندگی کے آخری اکیس سال میں اعزازی پرائیویٹ سیکرٹری کے فرائض انجام دینے کی سعادت بھی ملی ہے۔ اس لئے علی وجہ البصیرت یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت کا چالیس سالہ تبلیغی کارنامہ ایک عظیم الشان تبلیغی کارنامہ ہے۔" [1]

مولانا عبدالماجد دریا آبادی

"بریلوی گروہ کے سارے افراد کو ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا سمجھنا زیادتی ہے۔ مولانا عبدالعلیم میرٹھی مرحوم مغفور نے اسی گروہ کے ایک فرد ہو کر بیش بہا تبلیغی خدمات انجام دیں۔" [2]

---

[1] ذکر حبیب حصہ اوّل ص ۷ مطبوعہ المرکز الاسلامی بی بلاک شمالی ناظم آباد کراچی
[2] ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ ۲۵ر اپریل ۱۹۵۶ء

ناموراديب نواب مشتاق احمد خاں

پاکستان میں مملکتِ آصفیہ حیدر آباد (دکن) کی نمائندگی کرنے کے دور میں مجھے بہت سے اکابر ملت سے ملنے اور ان سے تبادلۂ خیالات کرنے کا موقع ملا۔ ان میں بیشتر بزرگ اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ ان محترم شخصیتوں میں سے جس بزرگ نے مجھے بہت متاثر کیا وہ حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی تھے۔ ۱۹۴۸ء کا مئی یا جون کا مہینہ تھا۔ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم کے ہمراہ ایک بزرگ میرے ہاں تشریف لائے۔ تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ وہ حضرت شاہ عبدالعلیم صدیقی مشہور مبلغ اسلام ہیں، جنہوں نے نہ صرف ایشیا اور افریقہ بلکہ یورپ کے بیشتر ملکوں میں پرچم اسلام لہرانے کی سعادت حاصل کی ہے۔ حتیٰ کہ خود پاکستان میں مسلمانوں کو تحقیقی معنوں میں مسلمان بنانے کے کام میں بھی قابل قدر پیش رفت کی ہے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی سے میرے گہرے دوستانہ مراسم تھے اور انہوں نے پاکستان میں میرے سفارتی مشن سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ دورانِ گفتگو حیدر آباد کا ذکر چلا نکلا تو مولانا عبدالحامد صاحب نے فرمایا کہ شاہ عبدالعلیم صدیقی صاحب مظلوم قوموں کی حمایت میں ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ چنانچہ کشمیر اور فلسطین کے مسائل میں انہوں نے بڑا مفید کام کیا ہے۔ اس لئے انہیں یقین ہے کہ مملکت حیدر آباد (جو اس وقت خطرات میں گھری ہوئی ہے) کے مؤقف کو عالمی برادری کے سامنے پیش کرنے میں بھی شاہ صاحب کا تعاون حاصل ہوگا۔ میں نے شاہ عبدالعلیم کو حیدر آباد آباد کے حالات تفصیل سے بتائے اور اُن سے استدعا کی کہ وہ اندرون اور بیرون مُلک اس کی وضاحت فرمائیں۔

مولانا صدیقی نے میری درخواست کو خوشی سے قبول کیا اور اپنے اس وعدے کو بڑی کامیابی سے نبھایا۔

اس کے بعد مولانا صدیقی سے میری دو اور ملاقاتیں ہوئیں۔ اُن کی شخصیت کے جس پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ ان کی منکسر المزاجی اور خلوص تھا۔ ایک ایسا شخص جس کی دعوتِ حق نے چار وانگ عالم میں اسلام کا پیغام پہنچایا ہو اور جس کو ہزاروں مسلمان دُنیا کے ہر کونے میں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں اس مزاج میں انتہائی انکسار کوئی معمولی بات نہ تھی۔ تکبر یا غرور کا کوئی شائبہ تو بڑی بات ہے، ان کے لباس اور انداز میں بھی بے حد سادگی تھی۔ وہ مشرقی اور مغربی دونوں قسم کی تعلیم سے بہرہ ور تھے۔ کئی زبانوں پر مکمل عبور تھا۔ وہ اعلیٰ پایہ کے خطیب تھے، ایسے شعلہ بیان خطیب جو سننے والوں کو اپنی خطابت کے جادو سے مسحور کر سکتے تھے اگر ان کی زبان میں اثر نہ ہوتا تو وہ اپنے تبلیغی مشن میں ہزاروں انسانوں کے قلوب میں انقلاب کیسے پیدا کر دیتے۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کی تبلیغی کوششوں سے ۵۰ ہزار انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

مولانا صدیقی کو حضرت شاہ احمد رضا خاںؒ سے خاص عقیدت تھی، وہ انہی سے بیعت تھے اور ان کی طرف سے خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ اسلامی تعلیمات کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے اُنہوں نے ہر وہ اقدام کیا جس کی حالات کے تحت ضرورت محسوس کی گئی۔ دُنیا کے ہر گوشہ میں مسجدیں اور ادارے قائم کئے۔ وہ ہر ملّی تحریک میں پیش پیش رہے۔ تحریکِ خلافت میں کچھ وقت مولانا محمد علی جوہرؔ کے ساتھ کام کیا۔ شدھی تحریک کے سامنے بند باندھنے میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ تحریک پاکستان میں بھی نمایاں حِصّہ لیا۔ ہندوستان کے چپہ چپہ میں جاکر اس تحریک کو روشناس کرایا۔ بیرون مُلک پاکستان کے مخالفین سے مناظرے کئے اور الحمدللہ انہیں نیچا دکھایا۔

بتایا جاتا ہے کہ مفتیٔ اعظم فلسطین اور دوسرے محترم عرب لیڈروں کو بھی تحریک پاکستان سے روشناس کرانے اور ان کی ہمدردیاں اور تعاون حاصل کرنے میں مولانا صدیقی کا بہت حِصّہ تھا۔ اُنہوں نے اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے آئین اسلامی کا ایک مسوّدہ

بھی تیار کیا جسے اُنہوں نے قائداعظمؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ افسوس کہ قائداعظمؒ کی عمر نے
وفا نہ کی ورنہ یقیناً نظام اسلامی کا نفاذ آج سے ۳۰ برس پہلے ہو چکا ہوتا۔ بہرحال
مولانا صدیقی نے اپنی حد تک اسکی بنیاد فراہم کردی۔ اگر وہ مسوّدہ اب دستیاب ہوجائے
تو اسلامی آئین کے تیار کرنے والوں کے لئے یقیناً مفید ہوگا۔

مدینہ منورہ کی محترم شخصیت حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب سے مولانا صدیقی کے خاص
مراسم تھے جو بعد میں رشتہ داری تک پہنچ گئے۔ مولانا کے منجھلے صاحبزادے شاہ احمد نورانی
صاحب کی شادی مولانا ضیاء الدین کی موتی سے ہوئی۔ مولانا صدیقی کی بڑی آرزو تھی کہ
اُن کا وصال دیارِ حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہو اور ان کی تدفین جنت البقیع میں ہو۔ اللہ
تعالیٰ نے اُن کی یہ آرزو پوری کردی ان کا وصال مدینۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی میں ہوا۔
اور اللہ تبارک تعالیٰ نے دین اسلام کی خدمت اور جذبہ ملّی کے صلہ میں انہیں جنت البقیع میں
اکابر اسلام، صلحاء امت اور فضلائے ملّت کا قرب عطا فرمایا۔ اس سال بھی عمرہ کے
موقعہ پر مجھے مولانا صدیقی کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

مولانا صدیقی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے مشن کو ان کے داماد ڈاکٹر فضل الرحمن
صاحب نے جاری رکھا۔ ان کے صاحبزادے شاہ احمد نورانی صاحب جمعیت علماء پاکستان
کے صدر ہیں۔ بڑے صاحبزادے جیلانی صدیقی صاحب سے اس مرتبہ لندن میں ملاقات
ہوئی۔ وہ اُس وقت قومی اتحاد کی انگلستان کی شاخ کے صدر تھے اور وہاں کی مخالف قوتوں
سے نبرد آزما تھے۔

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی ایک یگانہ روزگار شخصیت تھے۔ اُنہوں نے عمر اپنی ذہنی اور
جسمانی قوتیں تبلیغ اسلام اور اللہ اور اس کے رسول کے نام کی سربلندی کے لئے وقف کردیں۔
وہ مردِ مومن تھے اور دین کی خدمت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ باری تعالیٰ ان کی دینی خدمات
اور ملّی خدمات کے صلے میں ان کے درجات بلند فرمائے، اور اُس کا کچھ پرتو ہماری نسل پر
بھی ڈالے کہ ہماری نئی نسل اسلاف کی اعلیٰ خدمات سے روز بروز غافل ہوتی جارہی ہے۔[1]

[1] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ نومبر دسمبر ۱۹۷۸ء ص ۷۳، ۷۴

مقبول جہانگیر

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے دورۂ انڈونیشیا نومبر ۱۹۸۲ء میں پاکستان کے
معروف ادیب و صحافی جناب مقبول جہانگیر بھی صدر کے ہمراہ تھے، وہاں وہ علامہ شاہ عبدالعلیم
صدیقی علیہ الرحمہ کی تبلیغی کوششوں سے متاثر ہوئے، لکھتے ہیں۔

"اس ضمن میں حضرت مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی اُن مساعی
کا ذکر نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ جن کے تحت غالباً ساٹھ سال قبل انڈونیشیا میں اسلام کی
تبلیغ و اشاعت کا باقاعدہ کام مختلف انجمنوں کی نگرانی میں زور و شور سے شروع
ہوا تھا۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی، مشرقی زبانوں کے عالم فاضل ہونے کے علاوہ مغربی زبانوں
پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اُن کے علم و فضل کے بارے میں اتنا ہی کہہ دینا بہت ہے کہ مولانا
احمد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلفاء میں شامل تھے، قرآن، حدیث، تفسیر اور فقہ
میں مولانا صدیقی کو خصوصی مہارت حاصل تھی۔ جمعیۃ علمائے پاکستان کے راہنما اُنہی کے فرزند ہیں۔
مولانا صدیقی تبلیغ اسلام کے سلسلے میں سب سے پہلے مشرقی جاوا کے مشہور شہر سورابایا
پہنچے تھے۔ یہ ہماری عین خوش بختی ہے کہ ہمیں اس دورے میں ایک دن اور ایک رات
سورابایا میں ٹھہرنے کا موقع ملا اور ہم نے صدرِ پاکستان کی معیت میں سورابایا کی اسلامی،
یونیورسٹی دیکھی اور اس شہر کی خوبصورت جامع مسجد میں نماز پڑھی۔ سورابایا میں لوگوں کو
اسلام پر پورا پورا کاربند پایا۔

مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمۃ نے ایک تبلیغی انجمن کی بنیاد رکھی اور انڈونیشی
علماء کی ایک انجمن نہضۃ العلماء کے عنوان سے قائم کی، مولانا صدیقی کی کاوش اور

ذہانت دیکھئے کہ انہوں نے فصل کی زمین تیار پائی تو جسم و جان کی ساری راحتیں انڈونیشیا میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے وقف کر دیں، بڑی محنت سے اُنہوں نے انڈونیشی زبان سیکھی اور پھر لوگوں کو انہی کی زبان میں حق کی روشنی پہنچائی، نتیجہ یہ نکلا کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں اور ہزاروں نہیں لاکھوں انڈونیشی افراد کُفر کی ظلمت سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آئے۔

(مقبول جہانگیر، ایک تاریخی سفر۔ روزنامہ امروز ملتان ۸ر دسمبر ۱۹۸۲ء)

محمد صلاح الدین

ایڈیٹر روزنامہ جسارت، کراچی

مرحوم میرے ہم وطن بھی ہیں ہم محلہ بھی تھے۔ اپنے بزرگوں سے ان کی تبلیغی خدمات کا ذکر سُنتا رہا ہوں اور بیرونی سفر کے دوران جا بجا ان کے اثرات کا مشاہدہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے سنگاپور میں جس اسلامی مرکز اور مدرسے کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے کام کو حال ہی میں دیکھنے کا اتفاق ہُوا، اور میں اس امر کی گواہی دے سکتا ہوں کہ صرف یہ ہی ایک صدقہ جاریہ ان کی مغفرت کے لیے کافی ہے

مرحوم نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں جو وسیع کام کیا ہے وہ دین سے ان سے ان کی محبت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت کا واضح ثبوت ہے اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دین کی خدمت کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور ان کے عقیدت مندوں کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مجلّہ "مینارۂ نور") کراچی ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ، نومبر ۱۹۸۰ء

مولانا جعفر شاہ پھلواری

مولانا کی تقریر بڑی رواں ہوتی تھی۔ لیکن عربی، فارسی الفاظ کی کثرت کی وجہ سے زبان ادق ہوجاتی تھی۔ اُردو بولتے ہوئے بھی عربی الفاظ کو پوری تجوید اور صحیح مخارج سے نکالتے تھے۔ ان کی عمر کا بڑا حصّہ تبلیغ میں گزرا ہے۔ یورپ، امریکہ، افریقہ، انڈونیشیا وغیرہ میں اُنہوں نے تبلیغِ اسلام کا کام انجام دیا۔

مرید احمد چشتی، جہانِ رضا، مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ

احسان دانش

میں علاّمہ عبدالعلیم صدیقی کے متعلّق کیا عرض کروں اس کے سوا کہ وہ سچ مچ کے علاّمہ تھے اور اُن کی ذات سے سینکڑوں علماء نے کسبِ فن کیا ہے۔ بریلی کے علماء میں آج تک اُن کے تذکرے ہیں۔ جناب اُمید بریلوی مرحوم میرے شاگرد اور حضرت احمد رضا کے بھانجے تھے، وہ علاّمہ صدیقی صاحب کے اوصاف و علم کے سلسلے میں معلومات رکھتے تھے، وہ علاّمہ عبدالعلیم کے بارے میں کچھ لکھ رہے تھے مگر اُن کے انتقال کے بعد اُن کے کاغذات اور بیاض کا پتہ نہ چل سکا۔

(مکتوب احسان دانش بنام راقم محررہ یکم اگست ۱۹۷۸ء) فانی

سید سلیمان ندوی

مولانا عبدالعلیم صدیقی قادری میرٹھ کے ایک پُرجوش مبلّغ عالم ہیں، بریلی میں عربی ومذہبی درسیات کی تکمیل ہے، اور ایف، اے تک انگریزی پڑھی ہے۔ خلافت کی تحریکات کے زمانہ میں ساتھ کام کرنے والوں میں تھے، پھر ان کو تبلیغ کا شوق ہُوا اور اپنے لیے ہند و چین کے جزیروں اور ساحلی شہروں کا میدان پسند کیا، جو اسلامی ملکوں میں درحقیقت سب سے زیادہ قابلِ امداد اور عیسائیوں اور قادیانیوں کی زد میں ہیں، موصوف انگریزی زبان میں اچھی تقریر کرتے ہیں، اور ان لوگوں پر ان کا اثر ہے، سنگاپور و جاوا سے لے کر چین و جاپان کے سواحل بلکہ افریقہ کے بھی دور افتادہ مقامات میں ان کا سال لباسال دورہ رہتا ہے۔

ان کاموں کی روداد اخباروں میں تو پڑھتے ہی رہے، مگر اُدھر کے چند مسلمان کئے ہوئے یورپین مسلمانوں کو دیکھا، اور حیرت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کس طرح کس کی قسمت میں کوئی سعادت رکھتا ہے، موصوف کی یہ تبلیغی کوششیں علماء کے لیے قابلِ تقلید اور عام مسلمانوں کے شکریہ اور اعتراف کے قابل ہیں۔"

(ماہنامہ "معارف" اعظم گڈھ مارچ ۱۹۳۸ء، شذرات ص ۱۶۲)

جناب حسن البناء بانی اخوان المسلمون (مصر)

کما کان من فضل اللہ وتوفیقہ ان التقینا منذ عامین فی الارض المقدسۃ وعند البیت العتیق بصاحب الفضیلۃ والداعیۃ الاسلامی الشیخ محمد عبدالعلیم الصدیقی .... ونحن نسأل اللہ تبارک وتعالیٰ ان یجزی الاستاذ المفضال الشیخ محمد عبدالعلیم الصدیقی عن المسلمین عامۃ خیر جزاء۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دو سال ہوئے ہماری ملاقات ارض مقدس میں بیت اللہ شریف کے پاس صاحب فضیلت مبلغ اسلام الشیخ محمد عبدالعلیم صدیقی سے ہوئی (کچھ عبارت کے بعد) ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحب فضیلت استاذ شیخ محمد عبدالعلیم صدیقی کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ [۱]

[۱] البیان (عربی) مطبوعہ میرٹھ (بحوالہ تذکرہ اکابر اہل سنّت مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۴۰)

ڈاکٹر فرمان فتحپوری

ایم۔اے۔ ایل، ایل، بی۔ پی، ایچ، ڈی۔ ڈی لٹ

"مجھے اُن سے عقیدت اور اُن کی دینی خدمات کا اعتراف ہے۔"

(مکتوب ڈاکٹر فرمان فتحپوری بنام راقم محررہ ۱۵ر جولائی ۱۹۷۸ء) فاتی

پیر علی محمد راشدی

حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

ایک پرانا قرضہ پچیس سال سے میرے ذمہ رہ گیا تھا جو میں اس موقع پر چکا دینا چاہتا ہوں۔ یہ وہ چند یادیں چند تاثرات تھے مرحوم و مغفور علامہ شاہ عبدالعلیم صاحب صدیقیؒ کے تبلیغی کمالات کے بارے میں۔

مولانا مرحوم سے میری ملاقات صرف سرسری طور پر ایک مرتبہ ہوئی۔ پاکستان بنتے ہی ان کے بارے میں سنا جاتا تھا کہ وہ اکثر وقت ملک سے باہر اسلام کی تبلیغ فرماتے رہتے ہیں۔ وہ جب بھی واپس تشریف لاتے تھے تو میں سیاست میں پھنسے رہنے کی وجہ سے ان کی زیارت سے معذور رہتا تھا تا آنکہ وہ خود انتقال فرما گئے۔

مگر ان کی تبلیغی کاوشوں اور اسلامی خدمات کا صحیح اندازہ مجھے تب ہوا جب میں پاکستان کا سفیر بن کر فلپائن پہنچا۔ وہاں کے حالات یہ تھے کہ کسی زمانے میں انڈونیشیا کی طرح فلپائن بھی مسلمانوں کی اکثریت کا ملک تھا بعد میں جب سپین والے وہاں آئے اور مسلمان راجہ سلیمان کو شکست دے کر ان جزیروں پر قابض ہو گئے تو انہوں نے زبردستی مسلمانوں کو تقریباً من حیث القوم مرتد (کرستان) بنایا۔ یہاں کئی سو سال سپین والوں کی حکومت چلی اور یہ سارا وقت ان کی طرف سے کوشش رہی کہ ان جزیروں سے اسلام کا نام و نشان مٹا دیا جائے۔ چنانچہ وہ نوے فیصد آبادی کو کرستان بنانے میں کامیاب ہو گئے اور فلپائن رومن کیتھولک فرقہ کا مشرق بعید میں ایک گڑھ بن گیا۔ یہ صورت حال آج تک قائم ہے۔ فلپائن آج بھی سپین اور روم کے بعد کرسچین مذہب کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جا رہا ہے۔ جو فضا آپ سپین میں پائیں گے وہی فضا مجموعی طور پر فلپائن میں بھی آپ کو موجود نظر آئے گی۔

اس فتنہ ارتداد کے سیلاب سے اگر کوئی دور افتادہ جزیرے جزوی طور پر محفوظ رہ سکتے تھے تو وہ منڈناؤ، ہولو وغیرہ تھے۔ جہاں نہایت ہی سخت جان جنگجو عرب نژاد، مسلمان قبیلے بستے تھے جن کو سپین والے "مورو" کہتے تھے۔ ان قبیلوں نے نہ تو اپنا مذہب تبدیل کیا نہ یہ حقیقت بھول سکے کہ ان کا تعلق اسلام سے ہے جس کی خاطر وہ سارا وقت لڑتے مرتے رہے۔

تعجب کی بات یہ تھی کہ ان تین چار سو سال سے ان غریبوں کا اسلامی مراکز سے کوئی تعلق نہیں رہا تھا نہ کوئی ان کے یہاں ان کی رہنمائی یا امداد کے لئے جانے کی زحمت گوارا کرتا تھا نہ یہ خود کسی باہر کے اسلامی ملک سے رابطہ رکھ سکتے تھے۔ مگر پھر بھی وہ اپنے دین اور ایمان پر مستحکم رہتے آئے۔ وہ ہر طاقت سے لڑتے رہے (انگریز، امریکی، اسپینی، چینی) مگر جہاں تک مذہب کا معاملہ رہا انہوں نے کبھی کسی کی بات نہیں سنی۔

ان کی یہ جدوجہد اور یہ مقابلے اب تک جاری و ساری ہیں۔ پچھلے ۱۸ برس سے وہ اپنی موجودہ کرسچین حکومت سے بھی برسرپیکار ہیں کبھی ادھر جاتے ہیں کبھی ادھر۔ مگر کہیں سے مؤثر طریقہ پر ان کی دستگیری نہیں ہو رہی ہے۔ حالانکہ اسلامی دنیا اب آزاد ہو چکی ہے اور اس وقت ۴۲ سے اوپر آزاد مسلمان ریاستیں دنیا میں دندنا رہی ہیں۔

(۲)

اس پس منظر میں ہمارے بزرگ علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقیؒ کی شخصیت مجھے بے انتہا نمایاں نظر آئی۔ میں جب ۱۹۵۷ء میں سفیر بن کر فلپائن پہنچا تو مجھے جاتے ہی محسوس ہونے لگا کہ اس شخص نے وہاں کے مسلمانوں کو بیدار اور منظم کرنے میں اتنا بڑا کام کیا ہوا تھا جو ان سے پہلے نہ کسی مسلمان ریاست سے نہ کسی باہر کے شیخ یا پیر سے ہو سکا تھا۔ ان کا خود تو اس سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا مگر ان کا نام فلپائن کے اسلامی حلقوں میں ہنوز گونج رہا تھا۔ گویا وہ اب بھی ان میں موجود ہیں اور روحانی طریقہ سے ان کی رہنمائی کر رہے ہیں خود پاکستان کے سفیر کو وہاں کے مسلم عوام اس نسبت سے پہچانتے تھے کہ اس کا تعلق اس ملک سے ہے جہاں سے مولانا صاحب تشریف لائے تھے۔ ہر شخص ان کے روحانی فیوضات بلکہ کرامات کا ذکر کرتے نہیں تھکتا تھا۔ مجھ سے براہ راست پوچھتے رہتے تھے کہ کیا میں نے بھی ان کی کچھ کرامات دیکھیں؟ جس سے پوچھو وہ خود کوئی نہ کوئی عجیب و غریب بات بتاتا تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ اسلام کی تبلیغ کا کام انہوں نے اس قدر عقل مندی اور دور اندیشی سے سرانجام دیا تھا کہ ایک طرف تو مقامی مسلمانوں کو وہاں کی سوسائٹی کی دشمنی قبل از وقت مول نہ لینی پڑے اور دوسری طرف ان میں اپنی جگہ پر یہ احساس بھی پیدا ہو جائے کہ بطور مسلمان ان کی اپنی علیحدہ شخصیت ہے۔ مجموعی طور پر ان کی کوشش یہ تھی کہ مسلمان پہلے اپنے وجود اور اپنے مقام کو پہچانیں اور منظم ہو کر اسلام کے رشتہ کو پکڑ لیں اور اس کے بعد جو کچھ قدرت کو منظور ہو گا وہ ان سے کروا لے گی۔ بہرحال ان کی کوششوں کا نتیجہ جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ مختصراً یہ تھا۔

۱۔ مسلمان کو اپنے مذہب پر فخر محسوس ہونے لگا تھا۔

۲۔ ان میں اپنی اندرونی تنظیم آ گئی تھی۔

۳۔ غیر مسلموں سے ہمسائیگی کی وجہ سے جو غیر اسلامی رسومات ان میں پھیلنے لگی تھیں وہ مسدود ہو گئی تھیں۔

۴۔ قرآن اور حدیث سے ان کی وابستگی پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھ گئی تھی۔

۵۔ مساجد تعمیر ہونے لگی تھیں مدرسے اور مکتب کھولے جا رہے تھے دینی علوم پڑھانے کے لئے استاد اور کتابیں مصر سے منگائی جاتی تھیں۔ دارالحکومت منیلا کی مرکزی مسجد کا سنگ بنیاد خود میں نے اپنے ہاتھوں سے رکھا (بعد میں یہ سکیم پایہ تکمیل تک پہنچی یا نہیں مجھے خبر نہیں)

۶۔ ارتداد اور شرک کے دروازے بند ہو گئے تھے۔ پادریوں کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہو رہی تھیں ان کے اس تعمیری پروگرام میں جو خاص چیزیں میں نے محسوس کیں وہ یہ تھیں۔

(۱) یہ سارا کام بغیر شور و غوغا ہوتا رہا اور اس کو بازاری، نمائشی یا سیاسی نہ بنایا جائے تاکہ وہ حقیقی دینی اور روحانی برکتوں سے محروم نہ ہو جائے۔

(۲) معاشرتی اور ثقافتی طور پر، خواہ ذاتی طرز زندگی میں، مسلمان ایک غیر مانوس جانور یا بھوت نظر نہ آئے۔ یعنی دیکھنے میں یا عادات و اطوار کے لحاظ سے اس مکسڈ معاشرہ میں ناقابل ارتباط وحشی نہ لگے۔

(۳) ذاتی یا سیاسی مقاصد کی خاطر غیر بنیادی مذہبی روایات اور رسومات کو اس قدر نہ بڑھایا جائے یا اس غلو سے پیش نہ کیا جائے کہ اس سے دشمنیاں بڑھیں، دقیانوسیت کا پہلو سب چیزوں پر حاوی پڑ جائے اور ہمسائے خود ہمارے دین سے متنفر ہو جائیں (یہ بات اب ایران کی انقلابی تحریک کے قائد بھی محسوس کرنے لگے ہیں۔

(۳)

اس پروگرام پر انتہائی انہماک اور خموشی سے تقریباً چالیس سال کام ہوتا رہا۔ تاوقتیکہ وہاں کے مسلمانوں کی ایک نئی نسل سامنے نہیں آ گئی اس کے بعد وہی ہونے لگا جو مولانا کی تحریک کی حقیقی روح تھی یعنی مسلم اقلیت نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے ایک ناقابل تسخیر قوت بن کر اسلحہ بند جہاد شروع کر دیا۔ باہر کے مسلمان ملکوں سے تو ان کو کوئی خاص امداد نہیں پہنچی مگر مقامی طور پر تنظیم اور صحیح جذبے کی وجہ سے اب ان میں اتنی اندرونی سکت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اس وقت مخالف حکومت کی افواج تک سے مقابلہ کرنے کے قابل ہو گئے اور اٹھارہ سال سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

یہ پودا تھا جو ہمارے مولانا عبدالعلیم رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے ایک مدت پہلے وہاں لگایا تھا اور جواب پھل پھول رہا ہے۔[۱]

---

[۱] روزنامہ جنگ لاہور شمارہ جمعہ ۲۴ ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ / ۲۱ ستمبر ۱۹۸۴ء ص ۳

شیخ التبلیغ

حضرت مولانا شاہ محمد عبد العلیم رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور زمانہ نقاد، فلاسفر اور ڈرامہ نگار ڈاکٹر جارج برنارڈ شا کے ساتھ "اسلام اور عیسائیت" کے موضوع پر کینیا (جنوبی افریقہ) کے شہر ممباسہ میں ہونے والے مکالمے کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے جسے انفاذ میشن سینٹر آف دی انٹرنیشنل اسلامک مشنریز گلڈز نے انگریزی میں۔

A SHAVIAN AND A THEOLOGIAN

کے نام سے شائع کیا تھا۔ اور اس کا ترجمہ جناب سیّد طارق علی ایم اے نے کیا تھا۔ ماہنامہ ترجمان اہلسنّت کراچی نے مارچ ۷۲ء کے شمارے میں اسکو شائع کیا اس کا عکس اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ التبلیغ مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدّیقی القادری جب ممباسہ کے دورے پر گئے تو انہوں نے دنیا کے ممتاز عالم برنارڈ شا سے جن کا تعلق آئرلینڈ سے تھا ملاقات کی۔ برنارڈ شا اس وقت تعطیلات کے لئے جنوبی افریقہ جاتے ہوتے ممباسہ سے گزر رہے تھے۔ یونین کیسل لائنز لنتھگو (LINLITHGOW) نامی بحری جہاز جس سے برنارڈ شا سفر کر رہے تھے تین دن کے لئے جزیرے کے کنارے رکا اور وہ ممباسہ کے ریزیڈنٹ مجسٹریٹ کے مہمان بنے۔ جس سے برنارڈ شا کی دور کی رشتے داری بھی تھی۔

ملاقات کے لئے جب مولانا صاحب ۱۷ راپریل ۱۹۲۵ء بروز بدھ بوقت صبح مجسٹریٹ کے بنگلے پر پہنچے تو شاہ عبد العلیم صدیقی کے خیر مقدم کے لئے خود برنارڈ شا باہر آگئے۔ جارج برنارڈ شا درمیانہ قد اور مضبوط جسم والی مؤثر اور بارعب شخصیّت کے مالک تھے۔ جب وہ باہر آتے تو اُن کے چہرے پر وہ واجبی سی مسکراہٹ نہیں تھی جو محض ہونٹوں کے کناروں تک محدود رہتی ہے۔ بلکہ اُنھوں نے خوشی اور گرمجوشی سے بھرپور خیر مقدمی قہقہے کے ساتھ مولانا کا استقبال کیا۔ سچ پوچھیئے تو برنارڈ شا "شیوین" نہیں لگ رہے تھے۔ جیسا کہ ان کے بارے میں مشہور ہے بلکہ انہوں نے شیو تک نہیں کیا تھا۔ اور ان کے چہرے پر لہلہاتی ہوئی داڑھی ان تمام باتوں کی نفی کر رہی تھی جو برنارڈ شا کے بارے میں کہی جاتی ہیں۔ سوائے اپنی داڑھی، سر کے بال اور پلکوں کی رنگت کے جو بڑی عمر کی چغلی کھاتی تھیں برنارڈ شا نوجوان دکھائی دے رہے تھے۔

دوسری جانب مولانا اپنے باوقار عربی لباس میں نسبتاً کم عمر دکھائی دے رہے تھے. کیونکہ ان کی عمر ۴۳ سال تھی. ذہنی مشقت نے انھیں وقت سے پہلے بڑھاپے کی طرف مائل کر دیا تھا. مولانا صاحب اپنی کار سے باہر تشریف لاتے، دونوں کے درمیان سلام وغیرہ کا دل خوش کن تبادلہ ہوا جس کے بعد مولانا صاحب بولے کہ انھیں برنارڈ شا سے مل کر بے انتہا خوشی ہوئی ہے جارج برنارڈ شا نے فوراً کہا کہ وہ ان کے تبلیغی دوروں اور اسلام کی ترویج کے بہترین طریقوں کے متعلق بہت کچھ سن چکے ہیں. انھیں مولانا سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا. اور یہ واقعی بہت ہی حسین اتفاق ہے کہ وہ دونوں ایک مقام پر ایک ہی وقت میں اکٹھے ہوئے ہیں.

بعد ازاں دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ بڑی دلچسپ تھی جسکی خصوصیت یہ تھی کہ معمول کے خلاف برنارڈ شا نے سوالات کیے اور پھر بڑے ادب اور پوری توجہ سے مولانا کے فکر انگیز، معلوماتی اور اطمینان بخش جوابات سنے. ممکن ہے کہ اس بحث کے بالواسطہ ذکر سے اسکی شخصی نوعیت جاتی رہے لہٰذا ہم یہاں دونوں بزرگوں اور عالموں کے سوال و جواب جوں کے توں نقل کرتے ہیں.

"جارج برنارڈ شا:

مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی گوناگوں مصروفیات کے باعث گذشتہ شب آپ کا لیکچر نہ سن سکا. حالانکہ مجھے آپ کو سننے کا خاصا اشتیاق تھا. آپ نے "فلسفۂ امن" پر تقریر کی حالانکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ

کے لئے زیادہ مناسب یہ تھا کہ آپ "فلسفۂ جنگ" پر روشنی ڈالتے کیونکہ بلاشبہ اسلام تلوار کی نوک سے پھیلا ہے.

"مولانا عبدالعلیم صدیقی صاحب:

اسلام کے بارے میں یہ غلط فہمی عام ہے. کل رات ہی میں نے اس مسئلے پر روشنی ڈالی تھی اور مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہے. یہ داستان جس کا جھوٹ اب بے نقاب ہو چکا ہے آپ جیسے عالم کی زبان پر آئی ہے. تاہم مختصراً میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اسلام کے لفظی معنی خود امن کے ہیں. اسلامی تعلیمات کا مصدقہ ریکارڈ اپنی پوری صحت کے ساتھ قرآن وحدیث کی صورت میں موجود ہے جو واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ اسلام میں تلوار کا استعمال اس صورت میں جائز ہے جب مسلمانوں پر حملہ کیا جائے اور انھیں اپنے دفاع میں تلوار اٹھانی پڑے. علاوہ بریں قرآن صاف طور پر کہتا ہے.

"اسلام میں زبردستی نہیں ہے":

قرآن کی یہ آیت مذہبی معاملات میں کسی قسم کی طاقت یا دباؤ کے استعمال کو ممنوع قرار دیتی ہے، اصولی طور پر میں تو مسیحی عیسائیت کی تعلیمات کے بارے میں بھی یہی رائے رکھتا ہوں کیونکہ ہماری عقل یہی کہتی ہے کہ ایسے انکشافات جو روحانی ذریعے سے پیدا ہوئے ہیں عقائد کے معاملے میں ہر قسم کے تشدد کو منع کریں گے اور ان کو عقلی دلائل کے ذریعے پھیلایا جائے گا.

اسلام اپنی تبلیغ کا جو راستہ بتلاتا ہے اور جسکی وجہ سے یہ ساری

دنیا میں پھیلا ہے وہ قرآن کی زبان میں کچھ یوں ہے:

"بڑے پیار و محبت اور سمجھداری سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ اور بڑے مفاہمانہ طریقے سے اختلاف کرو۔"

تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ ۳۲۵ء میں قسطنطنیہ کی بلائی ہوئی کونسل آف نائسس میں "حضرت عیسیٰ کو خدا قرار دیا گیا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں اس عقیدے کو مسلط کرنے کے لئے نہ صرف یورپ بلکہ بیت المقدس میں ہزاروں بے گناہوں کو قتل کر دیا گیا تھا جنھوں نے اس نظریئے کو ماننے سے انکار کر دیا تھا مگر ان تمام باتوں کے باوجود جو کچھ ہوا میں اس کا ذمّہ دار مسیحی عیسائیت کو نہیں ٹھہراتا۔ تاہم ان باتوں کے ذمّہ دار چرچ کے وہ نمائندے ہیں جو اپنی طاقت اور بڑائی کے ذریعے ان کے دل جیتنا چاہتے تھے۔

اسی طرح صلیبی جنگیں بھی چند مفاد پرست لوگوں کی سازش کا نتیجہ تھیں جنھوں نے جان لیا تھا کہ اسلام کی طرف سے ایک خدا کی تبلیغ ان کے وجود کے لئے خطرہ ہے اور اس سے ان کے مذہبی اختیارات پر ضرب پڑتی ہے اسی لئے انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کر دی۔ انھوں نے قرونِ وسطیٰ کے ہر بات پر جلدی سے یقین کرنے والے یورپ کو عیسائیوں پر مسلمانوں کے مظالم کی جھوٹی داستانیں سنا کر جنگ پر اُبھارا یورپی عوام کو بتایا گیا کہ مسلمان مذہب پر یقین نہیں رکھتے اور ان کے مذہب اور جائداد کے سخت

دشمن ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کے بجائے چرچ سے وابستہ یہ ممتاز لوگ ظلم سے بھرپور ان بے فائدہ جنگوں کے ذمہ دار تھے۔

مزید برآں اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ کچھ مسلم حکمراں یا قبائل اقتدار کی بھوک میں جارحیت پسند ہو گئے" اور اسلام کی آمد کے بہت عرصہ بعد انھوں نے ذاتی مفاد کے لئے جنگیں لڑیں۔ تو ان کے کرتوت کا اسلام کو تو ہرگز ذمّہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اور ہم اسلام کی نہیں بلکہ ایسے مفاد پرست لوگوں کی مذمّت کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں حال ہی میں اپنی تقریروں میں مجھے اس مسئلے پر روشنی ڈالنے کا اتفاق ہوا تھا۔ جسے میں یہاں دہرانا پسند کروں گا (مولانا صاحب جیب سے کتابچہ نکال کر پڑھتے ہیں)۔

اگر کچھ قوموں نے مذہب کی حقیقی تعلیمات سے روگردانی کر کے اور پاگل پن اور غلط تصورات کا سہارا لے کر مذہب کے نام پر جنگیں لڑیں تو یہ خود ان کا قصور ہے مذہب کا نہیں۔ کیا جنگِ عظیم کے دوران امن انصاف اور کمزور قوموں کے حقوق کے تحفظ کے نام پر عوام موت کی بھینٹ نہیں چڑھے کیا ہمیں صرف اس لئے ان انسانی اور مقدس خوبیوں پر لعنت بھیجنا چاہیئے کہ چند لوگوں نے ذاتی مفاد کی خاطر ان کا نام لیا تھا اور غیر انسانی قتلِ عام کیا تھا۔

"جارج برنارڈ شا: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رومن

چرچ کے مذہبی جنونی ان افسوسناک واقعات کے ذمہ دار تھے جن کا عیسائیت کی حقیقی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں. یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ اسلام کے بارے میں بڑی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ اور اُسے غلط طریقے پر پیش کیا جاتا ہے مگر کیا مسلم عوام بھی آپ کی اس تشریح سے اتفاق کرتے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام طاقت کے ذریعے نہیں پھیلا تھا۔ اور نہ ہی اُسے طاقت کے ذریعہ پھیلایا جانا چاہیئے۔

"مولانا صاحب:

ہر مسلمان اس بات کی تائید پر مجبور ہوگا کیونکہ میں کم و بیش وہی بات کہہ رہا ہوں جو قرآن کہتا ہے. میرے ذاتی خیالات کا اس میں قطعی دخل نہیں. اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں. اور سیّد امیر علی، سر سید احمد خاں، علامہ شبلی اور اسلامی امور پر دیگر ماہر اور قابل ڈاکٹروں نے اپنی کتابوں میں اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

"جارج برنارڈ شا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان خاصی باتیں مشترک ہیں۔

"مولانا صاحب:

یہ تعلق معمولی اور مصنوعی نہیں کیونکہ خود قرآن اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ جب روحانی مذاہب کا نقطۂ آغاز خدا کے وجود کا اقرار ہے تو ان کے ارشادات میں ہم آہنگی ناگزیر ہے. خود اسلام کو ایک نیا مذہب سمجھا

گیا ہے حالانکہ قرآن کے نزدیک اسکی تمام مذہبی تعلیمات کم و بیش وہی ہیں جن کا درس دوسرے سچے پیغمبروں نے دیا تھا. حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب کو خدا نے اسی لئے دنیا میں بھیجا تھا کہ وہ ایک ہی قسم کی مذہبی تعلیمات کا پرچار کریں۔

دراصل مذاہب کی ان بنیادی تعلیمات کو جنھیں بگاڑ دیا گیا تھا اور ان کی سچائی شک و شبے میں پڑ گئی تھی سُدھارنے کے لئے ہی خدا نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا اور اسی مقصد کے لئے خدا کی آخری کتاب نازل ہوئی اس سلسلے میں قرآن کا کہنا ہے کہ:-

"اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر وحی نازل کی ہے کہ جس طرح کہ ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد دیگر انبیاء پر وحی نازل کی تھی"!

جس کے ذریعے ہم نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام)، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو یہ کہہ کر ہدایات بھیجیں کہ اس مذہب پر عمل کرو اور تفرقہ مت ڈالو۔

"جارج برنارڈ شا:

قرآن کے جو ترجمے میں نے پڑھے ہیں اُن سے یقینی طور پر آپ کی باتوں کی تائید ہوتی ہے. میں اس سلسلے میں ایک صاحب کے ترجمے کو ترجیح دیتا ہوں جن کی تشریح کا انداز دوسرے ترجموں سے مختلف ہے. مراکش اور الجزائر کے دورے میں یہ ترجمہ ہمیشہ میرے ساتھ رہا. اور میں نے کبھی کبھار

اس کے جو حوالے دیئے ہیں انھوں نے ان علاقوں کے مسلمانوں کو خاصا حیران کیا ہے یہ " ہر فرد کی لائبریری (EVERYMANS LIBRRY) کا ایک ایڈیشن ہے اور میں نے کچھ پبلشرز سے سفارش کی ہے کہ اس ایڈیشن کو اور وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے ۔

مولانا صاحب :

آپ جس ترجمے کی بات کر رہے ہیں وہ مسٹر روڈویل کا ہے ۔

جارج برنارڈ شا :

جی ہاں ۔

مولانا صاحب :

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ واقعاتی ترتیب کے لحاظ سے قرآن کے مختلف ابواب کا ترجمہ کرنے میں مسٹر روڈویل نے بڑی محنت وجانفشانی کا مظاہرہ کیا ہے مگر چونکہ عربی ادب اور اسلامی تاریخ کے بارے میں مسٹر روڈیل کی معلومات وسیع اور کافی نہیں تھیں لہٰذا اس ترجمے کے کئی حصے اتنے گمراہ کن ہیں اور ان میں اتنی فاش غلطیاں موجود ہیں جو اسلام کے بارے میں غلط تاثرات پیدا کر سکتی ہیں (اس سلسلے میں یہ بات میں نہیں کہتا کہ یہ غلطیاں جان بوجھ کر کی گئی ہیں ۔ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ مترجم کی کم علمی کا نتیجہ ہوں)

قرآن کے ترجموں کے جہاں تک تعلق ہے ۔ میں آپ سے " قرآن کا مطلب " (MEANING OF THE GLORIOUS QURAN) پڑھنے

کی سفارش کروں گا جس کے مصنف مسٹر مارماڈیوک پکتھال ہیں اور اس کے مطالعے سے آپ کو قرآن کے موثر اور متاثر کن انداز بیاں کی خوب صورتی ، شان وشوکت اور افضلیت کا اندازہ ہو جائے گا ۔ میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ بالکل حقیقی قرآن کا بدل ہے کیونکہ ایک بہترین ادیب ہونے کی حیثیت سے آپ خود یہ بات محسوس کر سکتے ہیں کہ ترجمہ چاہے وہ کتنے ہی اعلیٰ معیار کا کیوں نہ ہو اصلی تحریر کی قوت اور خوب صورتی کو بعینہٖ منتقل نہیں کر سکتا ۔

جارج برنارڈ شا :

یہ صحیح ہے کہ اصل تصنیف کی روح اس کے ترجمے میں منتقل نہیں کی جا سکتی ۔ یہی بات بائیبل کے ترجمے کے بارے میں درست ہے مگر ترجمے کا معیار بڑھتا جا رہا ہے ۔

مولانا صاحب :

زبان کے اعتبار سے ممکن ہے کہ بائیبل کے ترجموں کا معیار بہت معیاری اور عمدہ ہو مگر کسی صورت میں بھی یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ ان ترجموں میں عیسائیت کا اصلی پیغام موجود ہے کیونکہ جیسا کہ آپ بھی جانتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کا اصلی پیغام اپنی پوری صحت کے ساتھ اب موجود نہیں رہا ہے بائیبل میں متعدد ترمیمات اور اس کے اصلی مسودے کے غائب ہو جانے سے بڑا انتشار پایا جاتا ہے اور حقیقت کا متلاشی محض بائیبل کی نقل سے اپنی پیاس نہیں بجھا سکتا جب کہ اس کے برعکس قرآن میں ایک نقطہ

بھی ادھر سے ادھر نہیں ہوا ہے لہٰذا اگر عیسائیت کی اصلی تعلیمات کی ضرورت
ہے تو ہمیں قرآن پڑھنا چاہیئے ۔

جارج برنارڈ شا :

کیا واقعی قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے اور یہ اب تک اپنی
اصلی حالت میں محفوظ ہے ؟ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا جانتے
تھے اور کیا ان کی تحریر اب تک موجود ہے ؟۔

مولانا صاحب :

قرآن کے ہر باب بلکہ ہر آیت اور ہر لفظ کا باقاعدہ تصدیق شدہ
مکمل ریکارڈ موجود ہے ۔ جیسے ہی ہمارے پیغمبر پر وحی نازل ہوتی ۔ وہ فوراً
لکھنے والوں کو طلب کرتے اور ان کو نازل شدہ آیتیں لکھاتے جاتے ۔ جب
یہ آیتیں تحریر میں منتقل ہو جاتیں تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان
ساتھیوں سے کہتے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھ کر سنائیں ۔ پھر
سننے اور تصدیق کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کی
وضاحت فرماتے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قابلِ اعتماد ساتھی اور کاتب
زید بن ثابت کا تحریر کردہ مسودہ اب تک قسطنطنیہ اور مدینہ
کی آثار قدیمہ کی لائبریریوں میں موجود ہے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوتے
قرآنی نسخے اسی کی نقول ہیں جن میں ایک نقطے کا بھی فرق نہیں ہے ۔

جارج برنارڈ شا :

کیا کیا قرآن میں عبارتوں کی علامات بھی ہیں ؟

مولانا صاحب :

انگریزی زبانوں میں عبارتوں کی علامات محض کومہ، کولن، فل اسٹاپ
وغیرہ پر مشتمل ہیں جب کہ قرآن کو پڑھنے کے اصول کافی تعداد میں ہیں اور
اس میں مختلف قسم کی بہتیری علامات استعمال ہوتی ہیں مثلاً قرآن میں
بعض مقامات پر وقف لازم ہے جب کہ بعض مقامات پر وقف کو ترک
بھی کیا جا سکتا ہے کچھ آیتوں کے اختتام کو اچھی طرح ادا کرنا ہوتا ہے جبکہ
دیگر مقامات پر اس قسم کی کوئی قید نہیں ہوتی ۔ قرآن میں الفاظ کی صحیح ادائیگی
تلفظ آیتیں وقف وغیرہ اتنی پیچیدہ اور دشوار ہیں کہ قرآن کی تلاوت
ایک فن کی شکل اختیار کر گئی ہے اور قرأت کے موضوع پر خاصی تعداد میں
کتابیں لکھی جا چکی ہیں ۔

جارج برنارڈ شا :

یہ سب باتیں میرے لئے حیرت انگیز اور نئی ہیں مجھے یہ معلوم
کر کے بھی تعجب ہوا تھا کہ آپ نے نیروبی میں اسلام اور سائنس کے موضوع
پر تقریر کی ۔ میرے لئے یہ سمجھنا دشوار ہے کہ آپ قرآن کی روشنی میں ایسے لوگوں
کے سامنے جنّت اور دوزخ کا تصوّر کیسے پیش کرتے ہیں جو سائنس سے شغف
رکھتے ہیں اور ان کے ذہن بغیر دیکھے اور محسوس کئے کسی بات کو قبول
نہیں کرتے ۔

میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت کرتا ہوں اور یہ بات

بھی سمجھ سکتا ہوں کہ ایسی جاہل اور بے بہرہ قوم کو جو گناہوں کے سمندر میں غرق ہو غیر اخلاقی حرکتوں سے آزاد کرنا بھی انھیں حق کی تلاش وجستجو پر آمادہ کرنا انتہا درجے خوبصورت جنّت اور اتنی ہی خوفناک دوزخ کی تصویر دکھائے بغیر ناممکن رہا ہوگا۔

میں قرآن کے پُراثر اور وزن دار الفاظ کی بھی تعریف کرتا ہوں کتنے خوبصورت اور باوقار انداز میں قرآن کا وہ حصّہ لکھا گیا ہے جس میں روزِ قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے اور بچوں کے قتل والے حصّے کا اختتام کتنے ڈرامائی انداز میں اس جملے پر ہوتا ہے کہ

"آخر تم کس جرم کے مرتکب ہوتے ہو؟" اس معصوم بچے سے مخاطب ہو کر جسے مار ڈالا گیا یا زندہ دفن کر دیا گیا"۔

میرے خیال میں میں موضوع سے ہٹ رہا ہوں۔ دراصل میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جنت و دوزخ کے مسئلے کی سائنسی نقطۂ نظر سے کیسے وضاحت کی جا سکتی ہے۔

"مولانا صاحب:

آپ فنِ تحریر کے استاد ہیں اور آپ کے ساحرانہ قلم سے نکلی ہوئی خوب صورت اور لاجواب تحریریں قارئین کی ذہنیتوں میں انقلاب پیدا کرتی ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ملتی جلتی شکلوں اور چیزوں کی مدد کے بغیر محض مادّی زبان کے ذریعے روحانی مسائل اور عمل کو نہیں سمجھا سکتا۔ لہٰذا اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر

رکھنا چاہیئے اور قرآن میں جنّت و دوزخ کے بیان میں اظہار کے انداز کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔ اسی طرح اس قسم کے مناظر سے جو انسان کے ظاہری احساسات وجذبات کیلئے کشش رکھتے ہوں خدائے تعالیٰ کی آخری مراد یہ ہے کہ ہم جنّت کی نعمتوں کی حقیقی نوعیّت جاننے کی زیادہ جستجو نہ کریں۔

"کوئی نہیں جانتا کہ جنت میں ان کے لئے ایسی کیا چیز محفوظ ہے جو ان کی آنکھوں کو تازگی اور ٹھنڈک پہنچاتے گی"۔

اور حدیث کے مطابق تو ہمیں کسی صورت میں بھی جنّت کا موازنہ دنیا میں موجود چیزوں سے نہیں کرنا چاہیئے۔

"جنّت کی تشکیل کو نہ تو کبھی کسی انسانی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی انسانی کانوں نے وہ الفاظ سنے جو جنت کی حقیقی تصویر پیش کر سکیں یہ واقعی انسانی تصوّر سے ماورا کوئی چیز ہے جس کا خاکہ بھی تیار نہیں کیا جا سکتا"۔

ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جنّت کی نعمتیں کسی لحاظ سے بھی دنیا کی ایسی چیزوں سے مماثلت رکھتی ہوں جو ہمارے لئے خوشی کا باعث ہیں۔ اب جیسا کہ قانون ہے کہ ہر چیز آگے بڑھ رہی ہے اور مائل بہ ترقی ہے تو اس ترقی کو بھی لامحالہ کوئی معراج ہونا چاہیئے جہاں یہ رُک جاتے اور مزید ترقی کا امکان ختم ہو جاتے آرام و خوشی اور تکلیف و رنج ایسی دو چیزیں ہیں جن کا سابقہ دنیا میں انسان کو پڑتا رہتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں حالتوں کا کوئی انتہائی مقام ہو۔ خوشی کی معراج اور تکلیف و اداسی

کی معراج دوزخ کہلاتی ہے۔

جس طرح دنیا میں کچھ مادی ذرائع ایسے ہیں جو یا تو خوشی کا باعث بنتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں اسی طرح ایسے ذرائع بھی یقینی ہونے چاہیئں جو دوسری دنیا میں مسرّت اور غم کی کیفیّت کو دوبارہ پیدا کر سکیں خوشی پہنچانے والے ذریعے کا نام جنّت اور تکلیفوں کے مسکن کا نام دوزخ رکھ دیا گیا ہے۔ انسان کا وجود جسم و روح، اسکی سرگرمیوں کا ذمّہ دار ہے۔ لہذا روح اور جسم مل کر دوسری دنیا میں اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے۔

اب صرف مادّے کی تعریف رہ گئی ہے مگر جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ کام سائنسی ترقی کے موجودہ مرحلے پر بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ مادّہ درحقیقت کیا چیز ہے یہ ایک ایسی گتھی ہے جسے بہترین دماغی کوششوں کے باوجود سلجھایا نہیں جا سکا ہے مادے کا کیمیاتی تجزیہ تو الگ رہا سائنسداں اس کے وجود کی حقیقی تصویر بھی پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ آج تک کی سائنسی تحقیقات کا ماحصل پروٹون اور الیکٹرون کی تھیوری ہے جس کے مطابق ان کی شعاعیں دنیا کی بنیاد ہیں اور ہر جسم اپنی ٹھوس شکل میں ان شعاعوں کا نتیجہ ہے۔ "عجائبات کی دنیا" نامی رسالہ مادے کے بارے میں کہتا ہے کہ مادہ ٹھوس معلوم ہوتا ہے مگر سائنسداں بتاتے ہیں کہ ایٹم کی وہ جگہ جو ہمارے جسم کی تشکیل کرتی ہے ختم کر دی جائے اور ایٹم کا نیوکلیس اور الیکٹرون کو یکجا کر دیا جائے تو ایک انسان کا جسم اتنا مختصر ہو جائے گا کہ اُسے خالی آنکھ نہیں دیکھ سکے گی۔

اس طرح اگر ایک سائنسداں کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے یہ بات تسلیم کرے کہ ایک اوسط الیکٹرون ہر سیکنڈ میں اپنے نیوکلیس کے گرد کروڑوں چکّر لگاتا ہے اور اپنی شعاعوں کے ذریعے ٹھوس اجسام کی طرح حرکت کرتا ہے تو اُسے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری نہیں ہونا چاہیئے کہ کس طرح انسان کا جسم و روح دوسری دنیا کی تکلیف و مسرّت جھیلنے کیلئے کیا روپ دھاریں گے۔

"جارج برنارڈ شا:

یہ واقعی بڑی خوبصورت پر مسرّت اور مناسب وضاحت ہے مگر کیا آجکل کے مسلمان اُسے قبول کر لیں گے۔

"مولانا صاحب:

یہ وضاحت ہمارے دماغ کی اختراع نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ وضاحت قرآن کی روشنی میں کی گئی ہے میں اظہارِ خیال پر بھی اپنا حق نہیں جتا سکتا کیونکہ مجھ سے کہیں پہلے دنیا میں آنے والے لوگ مثلاً امام فخر الدین رازی، غزالی اور محی الدّین ابن عربی نے آپ جیسے ذی علم لوگوں کے سامنے ان باتوں کی وضاحت اسی انداز میں کی تھی۔

اسلام کی تعلیمات بڑی سیدھی سادی اور عقلی ہیں اور اس میں کوئی چیز پُراسرار نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان تعلیمات کی مناسب طریقے پر وضاحت کی جائے تاکہ ان کا صحیح مطلب پیش ہو سکے۔ کسی ایسے

فن کے ادب کو، جس سے ہم آشنا نہیں ہیں، سمجھنا بہت دشوار ہے چنانچہ
کسی فن کے اہم نکات کو سمجھنے سے قبل ہمیں اس فن کے بارے میں مکمل معلومات
حاصل کرنی ہوں گی انہیں معلومات کے ذریعہ ہم مسائل کو اچھی طرح سمجھ کر اس کا
حل تلاش کر سکیں گے۔

(اس موقع پر مسٹر شا کی میزبان اندر آئیں جن سے مسٹر برنارڈ شا نے
مولانا صاحب کا تعارف کرایا۔ مسٹر شا سے مخاطب ہوکر میزبان بولیں کہ اب
مسٹر شاہ کے بندرگاہ جانے کا وقت آگیا ہے جس پر مسٹر شا مولانا صاحب
سے مخاطب ہوکر بولے)

جارج برنارڈ شا:

آپ کی گفتگو اتنی دلچسپ اور معلوماتی ہے کہ میں سالوں تک آپ
کے ساتھ رہنا پسند کروں گا مگر بدقسمتی سے میری روانگی کا وقت آن
پہنچا ہے۔

مولانا صاحب:

مجھے واقعی آپ جیسے مہذب شائستہ اور پڑھے لکھے اور قابل شخص سے
تبادلہ خیال کی آرزو رہی ہے خاص طور پر ایسی صورت میں جب کہ غیر معتبر ذرائع سے
ہونیوالی اسلام کی ناکافی واقفیت کے باوجود آپ اسلام کے بارے میں اسی قسم کے خیالات
رکھتے ہیں کہ:

تعلیم یافتہ مہذب اور شائستہ لوگوں کا مستقبل کا مذہب اسلام ہے

میں آپ سے اس فلسفے اور نفسیاتی سچائی کے بارے میں بات کرنا پسند

کروں گا جو اسلام پیش کرتا ہے تاکہ آپ کے پائے کا عالم جو مہذب دنیا
کے ذہنی رجحانات سے کما حقہٗ آگاہ ہے اسلامی تعلیمات کو مؤثر اور
پسندیدہ انداز میں پیش کر سکے۔

جارج برنارڈ شا:

مجھے واقعی اس بات کا افسوس ہے کہ آپ جیسے بزرگ عالم سے
میں صرف اتنی مختصر بات چیت کر سکا۔

مولانا صاحب:

تاہم میں اسی کرمفرمائی پر آپ کا شکر گذار ہوں اور آپ کو اسی موقع
پر اپنی دو تقریروں کی کاپیاں پیش کرنا چاہوں گا جو میں نے "بالترتیب" دنیا
کی مذہبی وسائنسی ترقی"، اور "اسلام میں روحانی ثقافت" کے عنوانات پر
حال ہی میں ڈربان میں کی ہیں۔ اس موقع پر میں "اسلام" کے عنوان سے ایک
کتابچہ بھی آپ کو دیتا ہوں۔ جو میرے دوست اور عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد دکن کے معاشیات کے پروفیسر مسٹر الیاس برنی ایم اے نے
لکھا ہے مسٹر برنی نے مختلف عنوانات سے قرآن کی مختلف آیتوں کی
علیحدہ علیحدہ درجہ بندی کی ہے اور ساتھ ہی تشریح بھی کی ہے۔ براہِ مہربانی
آپ ان چیزوں کو پڑھیں اور کھل کر ان پر تنقید کریں میں جواب دیکر آپ کو
مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔

جارج برنارڈ شا:

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ بڑے شاندار اور بہترین انداز میں

اسلامی تعلیمات کو پیش کرتے ہیں۔ مگر کیا قدامت پسند مسلمانوں کو آپ
سے اتفاق ہے۔

مولانا صاحب:

اتفاق سے خود میرا تعلق اک ایسے قدامت پسند گروہ ہی سے ہے
جو اسلامی تعلیمات میں ذرہ برابر تبدیلی برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے
ذہن میں حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ سارے رہتے
ہیں کہ "جو شخص قرآن کی تشریح اپنے ذاتی ذہن کی مدد سے کرتا ہے اسے اپنا
ٹھکانا جہنم بنا لینا چاہیئے"۔ بنیادی اصولوں کی بات تو الگ رہی میں
معمولی اہمیت کے اقدامات اپنے مذہب کی روشنی میں کرتا ہوں۔

مثلاً میرے ساتھی مسٹر علی محمد جعفر جو مقامی مسلم الیوسی ایشن
کے صدر کی نمائندگی کر رہے ہیں اپنے ساتھ ایک فوٹو گرافر لائے تھے تاکہ میری
اور آپ کی ملاقات کی تصویر لے سکیں میں نے تصویر کھنچوانے سے صاف
انکار کر دیا۔

تصویروں نے بت پرستی کو جنم دیا ہے آج جو تصویریں ایسے ہی
لی جا رہی ہیں کل وہ کسی پرستار کے لئے محبت وعقیدت کا سرچشمہ
بن سکتی ہیں اور اسے گمراہ کر سکتی ہیں۔ اسی لئے اسلام نے تصویر سازی کی سخت مخالفت کی
ہے۔ چنانچہ میں کسی کو اپنی تصویر کھینچنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن اگر کوئی
شخص میری مرضی کے بغیر تصویر اُتار لیتا ہے تو اس کا ذمہ دار وہ خود
ہے میں نے یہ باتیں صرف اس لئے کہی ہیں تاکہ آپ اندازہ لگا سکیں

کہ میں کس حد تک قدامت پسند ہوں۔

جارج برنارڈ شا:

مجھے آپ سے واقفیت پیدا کر کے بڑی خوشی ہوئی اور آپ سے
میری ملاقات اس دورے کی بہترین یادوں میں شمار ہوگی جو میں اپنے
ساتھ لے جا رہا ہوں۔

(ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ کر دونوں رخصت ہوتے ہیں مولانا
صاحب مسٹر شا کے لئے خوشگوار سفر کی دعا کرتے ہیں۔ دوسری طرف
جب تک مولانا کی کار نظر سے اوجھل نہیں ہو جاتی برنارڈ شا اپنے ورانڈے
میں کھڑے ہاتھ ہلاتے رہتے ہیں)

eloquent and gratifying explanation, but will the present-day Muslims be prepared to accept it?

His Eminence: This description is by no means a concoction of my brain, but, as I have already said, it is propounded by the Qur'an. I cannot claim any credit, even for the manner of description, because my great predecessors, Imams Fakhruddin Razi, Ghazzali, and Mohiuddin-ibne-Arabi, when addressing enlightened philosophers like you, expressed themselves in similar terms. If I may say it in the oriental style, I have only gathered a few crumbs from their tables of magnificent feasts.

All the teachings of Islam are rational; there are no mysteries and dogmas. They only require to be explained in a proper light to transfuse their correct sense. It is difficult to understand the literature of any art with which we are not conversant. Hence, in order to grasp and assimilate the problematical points related to any art, we must first acquire knowledge and cultivate intimate acquaintance with that particular art. If we then seek their solution in the light of this knowledge we shall easily understand them.

(At this stage Mr. Shaw's hostess came in, and Mr. Shaw introduced His Eminence to her. Addressing Mr. Shaw, she said that it was almost time for him to leave for the docks. Mr. Shaw said he must certainly make a move then, and, turning to His Eminence, said:)

George Bernard Shaw: Your conversation is so very interesting and informative, that I would like to have the privilege of enjoying your company for years, but, unfortunately, I have to leave now.

His Eminence: I also ardently desire to have the benefit of exchanging views with such a cultured and learned scholar as yourself, particularly when I find that an inadequate acquaintance with the teachings of Islam from unauthentic and perhaps tainted sources has evoked such a positive and optimistic statement from you regarding Islam, that:—

"The future religion of the educated, cultured and enlightened people will be Islam."

I would like to speak to you about the profound philosophy and psychological truths the Qur'an expounds, so that a gifted and erudite savant of your parts and genius, perfectly familiar with the tastes and mental tendencies of the civilised world, can present them to it in an effective and desirable manner.

George Bernard Shaw: I am really very sorry that I could secure such a short time for speaking to a learned sage like yourself.

His Eminence: I am, however, grateful even for this opportunity and avail myself of the occasion to present to you the printed copies of two of my lectures on "Religious and Scientific Progress of the World", and "Spiritual Culture in Islam", which I recently delivered at Durban. I also give you this booklet on "Islam" by my friend, Mr. Elias Burney, M.A., Professor of Economics at the Usmania University, Hyderabad, Deccan, who has made a classified collection of the Qur'anic verses under various heads with explanatory notes. You will, please, read them and communicate to me on any point from these or any other book connected with Islam, and I shall try my level best to elucidate them and meet your criticisms, if any, in the light of Qur'anic teachings.

George Bernard Shaw: I have been very pleased to make your acquaintance, and it will be the most precious of all memories of this trip of mine.

(Bidding farewell to each other, His Eminence wishing George Bernard Shaw a bon voyage, they parted, and George Bernard Shaw was seen standing on the verandah waving his hand till the car went out of sight.)

O

"The reality of their constitution has been neither witnessed by any human eyes, nor have the ears listened to words capable of expressing it;

it is, indeed, beyond the pale of human imagination, and even a perfunctory surrogate of it cannot be visualised."

How can it be asserted in the face of this pronounced explanation that the blessings of Heaven resemble in any way, whatsoever, the things that please us or contribute to our happiness in this world. The truth of the matter, on the contrary, is that just as a consequence of compliance with natural or physical laws, material progress and comfort, commensurate with the degree of comprehension and execution, follow as a matter of course, so in proportion to allegiance or adherence to moral and spiritual laws and their translation into practice, one attains the utmost possible spiritual bliss and beatitude, and likewise their violation entails spiritual torture and tribulation.

Now if, according to the law of progress, everything is heading for advance, there must naturally be a zenith of it, and beyond that there must be no point of further progress. Comfort or happiness and grief or suffering are two states which a person experiences in this life; hence there must be an extreme point of both these states. This very extreme point of pleasure or bliss is called Heaven, and the extreme point of pain or sorrow, Hell.

Just as there are material media that are either conducive to happiness or instrumental in inflicting suffering in this world, so must there be some kind of media to procreate that state of bliss or generate pain and suffering in the other world. A metaphorical word-picture of the former has been sketched to portray Heaven, and the tremendously appalling and dreadful portrait of torments has been drawn to symbolise Hell. Now this other world which we call spiritual or celestial is neither like this material world, nor is it purely spiritual, having no connection, whatsoever, with matter, and where there are only souls utterly free from matter.

The human being, body and soul together, is responsible or accountable for his activities. Hence the soul in partnership with the quintessence of this very physical organism will meet with the kind of happiness or grief suitable to the conditions obtaining in that world.

Now it only remains to define matter, but as you know, this is not possible even at the present stage of scientific progress. For, what matter really is, is a conundrum that has not been solved in spite of the attempts made by the best human brains. Far from succeeding in analysing it chemically, the greatest scientists have not been able even to picture its reality. The culminating point of scientific research up to date is the establishment of the Theory of Protons and Electrons, according to which the wave radiations of these are the basis of the universe, and every physical body in its solid form is the result of those very raditions.

This is what the magazine *The World of Wonder* says about matter: "Matter seems very solid, but men of science tell us that if all the spaces in the atoms that make up our bodies were done away with, and the nucleus and electrons of the atoms were concentrated into a mass, the whole matter of a grown man's body would be so small that it could not be seen with the naked eye."

Hence, if it is possible for a scientist to accept without positive proof that an average electron flies round its nucleus several thousand million million times every second, and base the formation of solid physical organisms on their wave radiations, there should be no difficulty for him to imagine the soul and body in a form suitable to the conditions of the kind of happiness or grief to be met with in the great Beyond. A very hazy picture of those states can be said to reflect itself in those weird experiences of ours which we call dreams.

George Bernard Shaw: This is really a very beautiful,

honoured and trusted among the scribes, by name Zaid bin Sabit, are preserved intact in the archives of Constantinople and Medina, and all the editions of the Qur'an in the world are their exact copies, not differing among themselves even in point of a comma or a dash.

George Bernard Shaw: What! are there punctuation marks in the Qur'an?

His Eminence: The punctuation marks in the English language merely comprise commas, colons, semi-colons, full-point, etc., but the principles of Qur'anic elocution comprehend numerous signs of a different kind. For instance, a stop is complusory in certain places, whilst it is optional in others; some endings are to be fully pronounced, whilst others are quiescent, etc. The correct accents, pronunciations, accurate halts, etc., are so intricate and difficult of acquisition, that the Qur'anic elocution has been evolved into a distinct art, and copious volumes have been written on its theory and practice.

George Bernard Shaw: All this is rather astonishing and new to me. I was also surprised to learn that you delivered a speech on "Islam and Science" at Nairobi. What I find difficult to understand is how you can possibly present the picture of Heaven and Hell, which is portrayed in the Qur'an, in a manner convincing to persons conversant with science, whose minds are inured to accept nothing without visible or palpable proof.

I hold the Prophet of Arabia in great esteem and I can quite understand that it would have been impossible to restrain and wean that illiterate, ignorant and perverse race, sunk in the miasma of utter moral depravity, from committing the most heinous of crimes, and imbue its people with enthusiasm to strive after righteousness and assimilate high morals and virtues, without projecting such a terrible and intensely awe-inspiring spectacle of Hell and an equally captivating and enticing image of a land flowing with milk and honey to represent Heaven before their vision.

I also very much admire the forcible and striking diction of the Qur'an. What elegant grace and beauty characterises that passage which depicts the dreadful scene of the doomsday field, and, when dealing with infanticide, dramatically leaves off at the question:—

"For what crime wert thou slain?"

to the innocent child that was buried alive or put to death. In my opinion, it is the most effective way of the people.

But I am afraid I am digressing, for I would very much like to know how the problem of Heaven and Hell can possibly be elucidated in the light of science.

His Eminence: You are a master of the art of writing, and your enchanting and novel literary productions with your magical pen revolutionise the mentality of the readers. I am sure you will agree with me on this point, that material language cannot possibly act as an apt vehicle for the accurate conveyance of the significance and reality of spiritual problems and phenomena without the help of metaphors and similes, and these at best can serve to frame analogies.

One must, therefore, bear this fact in mind and make due allowance for the mode of expression in describing Hell and Heaven in the Qur'an. Simultaneously, however, with such illustrations that confine their appeal to physical senses, God Almighty stipulates in the clearest terms not to be too inquisitive regarding the true nature of the blessings of Heaven.

"So no one knows what is in store for them of that which will refresh the eyes."

And, according to the Traditions, we should, under no circumstances, think of them in any way comparable to the objects of this world:—

George Bernard Shaw: The translations of the Qur'an, which I have read, certainly go to substantiate your statements. I very much prefer the translation made by one who has adopted a different variation of the arrangement of the verses to that which is generally followed by other translators. I had it always with me during my tour of Morocco and Algeria, and my occasional references to its contents proved to be a perennial source of diversion and curious amusement to the Muslims of those lands. It is one of the editions of "Every Man's Library", and I have commended its wider publicity to some of the publishers.

His Eminence: The translation you allude to is that of Mr. Rodwell!

George Bernard Shaw: Yes.

His Eminence: There is no doubt that Mr. Rodwell has expended a great deal of energy and industry in translating the chapters of the Qur'an in their chronological order, but as his knowledge of the Arabic literature and Islamic history was not sufficiently wide and profound, a considerable number of translated passages are so misleading and contain such flagrant mistakes (which I by no means attribute to a deliberate intent on his part, but as I have already said, they may be the result of his limited knowledge in the said spheres) that they are likely to create wrong impressions about Islam.

As far as the translations of the Qur'an are concerned, I would recommended you to read "The Meaning of the Glorious Koran" by Mr. Marmaduke Pickthall, and I am sure that its persual will enable you to appreciate considerably more the exquisite beauty, the sublime transcendence and the appealing and impressive style of the Qur'an's perspective. However, I do not imply that it is a perfect version of the original, for you yourself can aptly judge, being an admittedly splendid writer, that, in spite of the translator being the ablest and the best, he can never transmit the force and brilliance of your original writings into his translations.

George Bernard Shaw: It is quite true that the spirit of the original cannot be transplanted into its translation in another language, and the same is the case with the translations of the Bible, but they have now achieved a very high standard, and the process of raising it still higher is being continued.

His Eminence: Although the translations of the Bible may attain the highest stage of perfection from the standpoint of language, one cannot say, under any circumstances, that they contain the original message of Christianity, or are the genuine versions of the teachings of Jesus Christ, for the original message, as you know, in its unalloyed purity, as delivered by Jesus, is no more extant. The result of the numerous lections of the Bible, and the absence of the original manuscript, is confusion worse confounded, and a seeker after truth cannot quench his thirst at its hydriod font, whilst the Qur'an, in contrast, has been preserved in such a manner, that there has not been the slightest change, not even to the extent of a letter or a dot. Hence, if we want to know the real teachings of Christianity, we must look for them in the Qur'an.

George Bernard Shaw: Has there been really no alteration in the Qur'an, and is it absolutely preserved in its original form? Did Prophet Muhammad know how to write, and is his writing in existence?

His Eminence: There is a complete and authentic record of each and every chapter, nay, even of every verse, or I might say, of every word of the Qur'an. The Prophet, immediately following the revelation of a verse or verses to him, used to send for the special scribes appointed for the purpose and dictate the same to them. When transcribed, he would ask them to recite what they had written and, after listening to and verifying it, would explain to them its meaning.

The manuscripts in the handwriting of one of the most

such interested ecclesiastical groups of men, who, realising that the uncompromising preaching of the oneness of God by Islam was a great obstacle in their path and their self-fabricated Divine authority was at stake, launched an unscrupulous campaign against Islam and Muslims. They instigated the credulous mediaeval Europe to wage the so-called "holy wars" against Islam and Muslims, by circulating blood-curdling tales of imaginary atrocities by Muslims on Christians, describing the Muslims as infidels and inveterate enemies of their religion, property and persons. Obviously, therefore, these Church dignitaries alone can be held liable to account for the cruel, protracted, futile wars and not the original teachings of Christianity or Islam and the Muslims.

Further, if we grant as a supposition, that some Muslim rulers and tribes, actuated by the lust of conquest, became aggressors, long after the advent of Islam and let slip the dogs of war for self-aggrandisement, we can, in fairness, condemn those individuals for the reprehensible acts, and surely not Islam.

In this connection, I happen to have made certain remarks recently, in one of my speeches at Durban, and, as they are very pertinent, I would like to repeat them to you. (*So saying, His Eminence read out the following passage from a booklet which he was carrying with him:—*

> "If certain nations, immersed in paganism and superstition and ignorant of the real teachings of religion, wage wars in its name, the crime is theirs, and no blame can be ascribed to religion. Were not millions of human beings killed during the Great War in the name of peace, justice and the laudable object of safeguarding the rights of weaker nations? Should we then condemn these humane and noble qualities because some statesman abused these terms and sanctioned the inhuman slaughter for the attainment of their own selfish ends?"

George Bernard Shaw: There is no doubt that the Roman Church fanatics were, to a great extent, responsible for the sad events, and the pure teachings of Christianity have no concern with their occurrence. It may also be admitted, that a great many misunderstandings prevail regarding Islam, and that it is being widely misrepresented, but do the Muslim masses agree with your interpretation, and do they believe that Islam was not, and should not be, spread by force?

His Eminence: Every Muslim is bound to endorse it, for whatever I say is precisely what the Qur'an says, and my own views or conceptions have nothing to do with it. Many books have been written on this subject, and Syed Amir Ali, Sir Syed Ahmed Khan, Allama Shibli and other learned Doctors of Islamic Theology have exhaustively dealt with all the aspects of this problem in their books.

George Bernard Shaw: I know that there is a considerable amount of concord between Islam and Christianity!

His Eminence: The correspondence is not merely nominal or superficial, for the Qur'an expressly predicates that when the ultimate source or origin of an inspired or revealed and Divine religion is the Being of God, unanimity in such revelations is indispensable. Islam has been conceived as a new religion, but according to the Qur'an itself, the religion preached by it is the same that was promulgated by all the true Prophets and, from Abraham right up to Jesus, God deputed them, one and all, for the dissemination of much the same teachings.

It was only because their original teachings were tempered with and corrupted, and their authenticity became dubious, that the Almighty God sent the last Prophet, and the last Book, to re-state, confirm and complete His original Message. The Holy Qur'an has made this quite clear by saying that :—

> *"We ordained for you the religion with which We commanded Noah, and which We have revealed unto thee (O Muhammad)! , and with which We commanded Abraham and Moses and Jesus, saying: Observe this religion and be not divided therein."*

The conversation which followed was very interesting, though devoid of Shavian shafts and sarcasms, perhaps because the usual roles of interviews with George Bernard Shaw were reversed in this case: for it was George Bernard Shaw who asked the question of the interviewer, and listened attentively to the prompt, lucid and informative replies of His Eminence.

As an indirect account of the lively discussion might rob it of its personal touch, it is perferable that the stalwarts are made to speak for themselves.

George Bernard Shaw: I regret, I was not able, on account of a previous engagement, to attend your lecture last night, although I was very keen on doing so. You spoke on the Philosophy of Peace, but, as a Muslim, it would have been more appropriate if you had delivered a lecture on the Philosophy of War, for Islam, doubtless, has spread at the point of the sword.

His Eminence: This is a common misunderstanding regarding Islam. I was dealing with this problem only last night, and I am really surprised that this myth, which has been thoroughly exploded by now, should receive any notice from a scholar of your calibre. How-ever, I may briefly tell you now that the literal meaning of the very word "Islam" is *peace.*

An authentic record of the teachings of Islam in their pristine purity has been preserved intact in the Qur'an and the Traditions. They go to establish, beyond the shadow of a doubt, that Islam permits the use of the sword only when wantonly attacked and compelled to defend itself. Besides, there is an explicit injunction in the Holy Qur'an that:—

"There is no coercion in religion"

thus clearly forbidding the use of force or compulsion in matters of religion.

As a matter of fact, I entertain the same conviction regarding the teachings of genuine Christianity, for our sense of reasoning tells us that if they be revelations and their source of emanation be consequently Divine they cannot but emphatically veto any manner of violence in respect of belief and enjoin its inculcation by means of arguments and rational discourses. As far as Islam is concerned the Qur'an distinctly says;—

"So that he who perisheth hereafter may perish after demonstrative evidence, and that he who liveth may live by the same evidence."

The method that Islam teaches for its propagation, and to which its acceptance by all reasonable men and its spread to all the corners of the world in the past and the present is due, consists of the Qur'anic dictum .—

"Invite people to the Way of your Lord with wisdom and mild exhortation, and dispute with them in the most conciliating manner."

History bears testimony to the fact that *Christ was declared consubstantial with the Father* by the Council of Nice, convened by Constantine in Bithynia in the year 325 A.C., and to enforce the belief in the Divinity of Christ, there followed a most horrid and inhuman slaughter of thousands of innocent people who refused to accept the dogma, not only in Europe, but in the sacred city of Jerusalem as well; but in spite of it all, I can never hold the real Christianity responsible for it. Of course, those representatives of the Church who wanted to impress the hearts of the people with their power and greatness and perpetuate their priestly authority, ensuring the people's submission to their will, can be rightly saddled with all the blame.

Similarly, the sanguinary wars, known as Crusades, were the outcome of the Machiavellian machinations of

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله سيدنا محمد خاتم النبيين

A Shavian and a Theologian

***

HIS Eminence Mohammed Abdul Aleem Siddiqui Al-Qaderi, the eminent Muslim divine, who was on a visit to Mombasa, interviewed George Bernard Shaw, world-renowned Irish savant, who was passing through on his way to South Africa on a holiday.

The Union Castle liner, Linlithgow, by which he was travelling, stopped for three days at the Island, and George Bernard Shaw was a guest of the Resident Magistrate of Mombasa, a distant relative whom he had never met before. When His Eminence arrived at the bungalow of the Magistrate, on Wednesday morning, the 17th of April, 1935, George Bernard Shaw at once came out to receive him.

George Bernard Shaw, a well-built medium-statured, erect and imposing figure, a gentleman of noble mien, was smiling, not the smile of the sceptic that flickers round the corners of the lips, but one of real welcome suffused his face, and there was nothing Shavian about him, if the phonetic pun be permissible, for even his chin was not shaved, and a long, flowing beard, on the contrary, imparted a serene dignity to his, falsely represented Freudian features. Full of vim and vigour, if it were not for the grey colour of his hair, beard, and eyebrows, he could scarcely be credited with the four score years, which strange to say, he carried with a most youthful buoyancy.

As His Eminence, a venerable figure in his dignified Arabic robes, comparativly very young, for he was only forty-three, although his grey hair due to chronic catarrh and unceasingly intense mental strain made him look much older, stepped out of the car, there was a hearty exchange of greetings, after which His Eminence expressed his great pleasure at meeting him. The Grand Old Man immediately rejoined that having heard about his missionary exploits and his novel way of preaching Islam, he himself was very eager to know him, and it was indeed a very happy coincidence that they had met there that day.

Foreword

I AM certain the following interview between George Bernard Shaw and His Eminence Mohammed Abdul Aleem Siddiqui Al-Qaderi will be acclaimed by the English-reading public all over the world. The writer of this little work is well known to me, and the reader can be sure the learned writer has caught the true atmosphere.

His Eminence Mohammed Abdul Aleem Siddiqui Al-Qaderi is also well known to me and I can well imagine the scene, when Shaw from being the scoffer came gradually to be infected with the dynamic energy and sincerity of purpose of the famous Muslim divine.

The only thing I wish to complain about this little brochure is the shortness of the interview. But I suppose one cannot expect anything that is really good in very large doses in this world.

M. T. AKBAR, K.C., B.A.,LL.B.
formerly Senior Puisne Justice,
Supreme Court, Colombo.

3rd May, 1935.

GEORGE BERNARD SHAW

The Disconcerting Critic, Philosopher and Dramatist

is Interviewed by

HIS EMINENCE MOHAMMED ABDUL ALEEM SIDDIQUI AL-QADERI

The Outspoken Sufi, Preacher and Religionist

"*Philosophy of War*"—more in consonance with the teachings of Islam, says George Bernard Shaw

"*Philosophy of Peace*"—permeates the religious system of Islam, replies His Eminence.

Meeting Place: "The Isle-of-War, Mombasa"

BY THE SAME AUTHOR

M. A. A. Siddiqui

(English)

THE PRINCIPLES OF ISLAM

THE ELEMENTARY TEACHINGS OF ISLAM (HANAFI)

THE FIRST TEACHINGS OF ISLAM (SHAFA'I)

THE FORGOTTEN PATH OF KNOWLEDGE

THE CODIFICATION OF ISLAMIC LAW

CULTIVATION OF SCIENCE BY THE MUSLIMS

THE UNIVERSAL TEACHING

SPIRITUAL CULTURE IN ISLAM

RELIGION AND SCIENTIFIC PROGRESS

SHAVIAN AND THEOLOGIAN

(Arabic)

MIR'AT-EL-QADIANIYYAH

(Urdu)

ZIKRE HABEEB (P.B.O.H.) PART I & II.

AHKAM-E-RAMADAN

KITAB-EL-TASAW-WUF

ETC. ETC. ETC.

A Shavian

and

A Theologian

Conversation Between

G. Bernard Shaw and M. A. Aleem Siddiqui